يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ
اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں مومنوں کے اور ان کے جو علم دیئے گئے ہیں بہت درجے
(قرآن مجید)

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (حدیث)
اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ دیدیتے ہیں۔

نصاب و نظام

دینی مدارس

جس میں دینی مدرسوں کی شدید ضرورت، اہمیت، اغراض و مقاصد عام لوگوں کو غیر شعوری طریقے سے ان کے فائدے ان کے نصاب کے بیلے ہر جز کی خوبی مدرسوں پر تمام اعتراضات کی حقیقت اور صحیح اصلاحات پیش کی ہیں، اور ملک میں ان مدرسوں کی حرکات و اثرات ثابت کیے ہیں۔

حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ، لاہور

ناشران قرآن لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور
(سلطانہ پریس لاہور)

فہرست

۱۔ صفحہ ۱۲۸ کے بعد ایک فرمے کے نمبر دوبارہ وہی لگ گئے ہیں ازراہ اس نئے فرمے کے نمبر ۱۱۳د سے ۱۲۸د پڑھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلیا

قاعدہ ہے کہ جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو عام طور سے سبھی طبیعتیں اس سے متاثر ہو جاتی ہیں بلکہ جو لوگ تندرست سمجھے جاتے ہیں کچھ نہ کچھ وہ بھی متاثر ہوتے ہیں خواہ اُن کو اس کا احساس بھی نہ ہو ہاں بعض بہت زیادہ بعض بہت ہی کم کالعدم اور بعض کافی۔ انگریزوں کے تسلط اور اسکولوں، کالجوں کے لامذہبی نصابات اور بے دینی کے ماحول سے جو یورپ زدگی کی وبائے عام پھیلی ہے اس سے بھی بہت کثرت سے لوگ کافی متاثر ہوئے ہیں مگر بعض کم اور بعض بہت ہی کم۔

تاثر و عدم تاثر کا معیار وبا کے پھیلنے سے پہلے کے تندرستوں کی صحت ہے جو اس کے قریب قریب ہوگا اس کو یہ سمجھا جائے گا۔ کہ یہ کم متاثر ہے اور جو جتنا دور ہوگا۔ اسی قدر اثر لئے ہوئے ہوگا۔ یہی معیار اس وبا کے زمانہ کے تندرستوں کی صحت کا سمجھا جائے کہ پہلے کے مسلمانوں سے موازنہ کیا جائے جو جتنا قریب ہے کم متاثر ہے جو دور ہے زیادہ متاثر ہے۔

یورپ نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کی جو چال کھیلی ہے لاشعوری طور پر آج بہت سے مسلمان اس کا شکار ہو چکے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ اور بجائے اس کی حقیقت پر غور کرنے کے خود اس کے ہمنوا بننے لگے حتی کہ جو کام وہ کرنا چاہتے تھے مگر کر نہ سکتے تھے اب خود مسلمان وہ

کرنے لگے۔

بات یوں ہے کہ مسلمانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے لَن یُغلَبَ اثنا عَشرَ اَلفاً عَن قلۃ (بارہ ہزار مسلمان کبھی کم تعدادی کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے) مگر مسلمان ہونا شرط ہے جس قدر اسلامیت پختہ ہوگی اسیقدر کامیابیاں میسر ہونگی اس راز کو مسلمانوں نے تو نظر انداز کر رکھا ہے مگر یہ ایک واقعی اور ہمیشہ کے تجربہ کی بات تھی۔ کافروں نے اس کو تاڑ لیا کہ جب تک یہ سچے پکے مسلمان ہیں مغلوب نہ ہونگے۔ عیسائی قومیں اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے اس فکر میں ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام سے الگ کردیں تو مغلوب کرسکیں قرآن مجید کے نسخے جلانے کتب خانے تلف کرنے اور علماء کو تہ تیغ کرنے سے بھی یہ بات حاصل نہ ہوئی تو اسکول کالج کی تعلیم پھر دینوی ہنر ترقی کو اس میں محصور کرنے اور طرح طرح کے شکوک و شبہات بچوں کے خالی ذہنوں میں ڈالنے سے یہ کام لیا گیا اور دینی مدارس جن کی بدولت آج دین کی باتیں مسلمانوں کے کانوں میں پہنچ سکتی ہیں۔ ان کو تدبیروں سے ختم کرنے اور ان سے متنفر کرنے کی صورتیں پیدا کیں۔ کالجی تعلیمات سے متاثر ہونے والے مسلمانوں نے ہی دینی مدارس پر وہ اعتراضات کرنے شروع کر دیئے جن سے عام مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے نصاب کی ترمیم پر بہت زور ہے اور اندر کچھ اور راز ہے جس کو وہ غالباً خود بھی نہیں سمجھے اور مسلمانوں سے یہ بات بعید تھی کہ وہ اس راز کو

سمجھ کر ایسا کرتے اسلئے ان اعتراضات کی حقیقت ظاہر کر دینی مناسب
معلوم ہوئی ۔ مدارس دینیہ کی اصلاح دی، جو ضرورت آج اسقدر اہم
کرکے بیان کی جا رہی ہے وہ انہی اعتراضات میں سے ہے جو کوتاہ
نظر مسموم وبائے یورپ ہمیشہ سے کرتے آرہے ہیں۔ یعنی

۱ عربی مدارس میں تاریخ نہیں۔ ۲ جغرافیہ نہیں۔ ۳ سائنس
وفلسفہ جدید نہیں۔ ۴ حساب نہیں۔ ۵ ڈرائنگ نہیں۔ ۶ ورزش
یا کھیل اور صفائی نہیں۔ ۷ عربی میں گفتگو و تقریر و تحریر کی قدرت
نہیں۔ ۸ انگریزی نہیں۔ ۹ صنعت وحرفت نہیں۔ ۱۰ صرف
ونحو وغیرہ قواعد سے ذہن کی تخریب و تشویش ہے۔ ۱۱ منطق و
فلسفہ قدیم میں اضاعت وقت ہے قوائے دماغیہ پر ناقابل تحمل بار ہے۔
۱۲ تبلیغ مواعظ تصانیف مناظرہ وغیرہ دینی کاموں میں بھی کماحقہ
کام نہیں کراتے۔ ۱۳ سیاست جو مذہب سے الگ نہیں اس میں
بھی کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔ ۱۴ اسماء رجال ہونا چاہیئے۔ ۱۵ تعلیم
بطریق گفتگو یا املا ہونی چاہیئے۔ ۱۶ ادب و انشاء نہیں سکھلاتے۔ ۱۷ ندوہ
وغیرہ کی تقلید کرنی چاہیئے۔ ۱۸ صرف و نحو کی تعلیم بجائے فارسی کے
اردو میں ہونی چاہیئے تاکہ دماغ پر دو بار نہ ہوں۔ ۱۹ مطول و مختصر
کی جگہ دلائل الاعجاز چاہیئے۔ ۲۰ مسلمان بھوکی قوم میں ہر سال سینکڑوں
بھیک منگے اور بیکار افراد کا اضافہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ چند اعتراضات
ہیں جو ہر یورپ زدہ اور ان کے قریب میں آجانے والے بہت سے

سادہ لوح صاحبوں کو پیش آتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ

چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ان اعتراضات کی حقیقت واضح کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدارس کا نصب العین ان کے فوائد و اغراض معیار اور مشکلات ضروریات پیش کر دی جائیں تاکہ پھر آپ صحیح غور کر سکیں۔ اس لئے آپ کو تمام اثرات سے خالی ہو کر نہایت سکون قلب کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہیئے کہ مدارس دینیہ کا نصب العین، مقصد صحیح اور غرض و فوائد کیا کیا ہیں اس کے بعد آپ بہت سہولت سے اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے کہ کیا کیا چیزیں ان مقاصد کے لئے ضروری تھیں اور وہ مدارس میں نہیں ہے اس لئے قابل اصلاح ہیں نظام بھی اور نصاب بھی اور کیا کیا غیر ضروری ہے اور پھر غیر ضروری امور میں سے کیا کیا اصل مقاصد کے لئے مفید ہیں اور کیا کیا مضر تاکہ مفید کے اضافہ کا تقاضا کیا جائے۔ اور مضر سے بچنے کا مشورہ دیا جائے گو ساری دنیا اس کو ضروری ہی کہتی رہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ نصاب یا نظام کوئی وحی آسمانی ہے کہ جس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے مگر مشورہ وہ عقلمندی کا ہو سکتا ہے جو اصل معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے بعد ہو اور اس کے تمام اغراض و مقاصد سے انطباق رکھتا ہو ورنہ پھر کسی لازمی خمازی کر دے گا۔ امید ہے کہ اس طرح کی غور و فکر کے بعد آپ معلوم کر لیں گے کہ ایسی تجویزیں اصلاح مدارس کے لئے ہیں یا افساد کے لیے بلکہ مسلمانوں کی دینی اصلاح و فلاح کے لیے ہیں۔ یا تمام مسلمانوں

کی دینی تباہی و گمراہی کے لئے۔
میں ذاتیات سے بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ کامل غور و فکر سے کام نہیں لیا گیا اور اس کی وجہ زمانہ کی مسموم ہوا یورپی عام وبا کا اثر ہے۔ جس سے معذوری کا درجہ حاصل ہو رہا ہوگا یا کم از کم بے توجہی کا۔

مدارس کا نام

عام طور سے ان مدرسوں کو صرف عربی مدرسہ یا فارسی مدرسہ لقب سے یاد کیا جاتا ہے میرے نزدیک اولیں غلط فہمی اسی لقب سے ہوتی ہے۔ اسی سے بہت سے اعتراضات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ دراصل یہ مدارس دینی مدارس ہیں ان میں دین سکھایا جاتا ہے اور وہ وہ علوم و فنون جو دین کے لئے ضروری یا مفید ہیں۔ چونکہ وہ علوم عربی سے وابستہ ہیں اس لئے عربیہ بھی کہدیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصل میں دینی ہیں اور تابع ہو کر عربی مدرسے کہلاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ دینی مدرسے ہیں اور خالص دینی دین حاصل کرنے کراتے ہیں۔ جتنی جتنی ضرورت عربی، فارسی، حساب اقلیدس وغیرہ کی دین کے کاموں کے لئے ہوگی۔ اسی قدر یہ علوم و فنون درکار ہوں گے مگر فن کی حیثیت سے نہیں دین کے لئے مفید یا ضروری ہونے کی حیثیت سے اور اسی قدر کہ جس قدر کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ زیادہ نہیں اصل مقصد کا وقت کم رہ جائیگا۔

اور اس سے اصل مقصد کو ضرور پہنچے گا۔

اقسام و مقاصد مدارس

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ علم کیا چیز ہے کیونکہ ہر شخص اور ہر جماعت اپنے علم کو ضروری کارآمد اور بہت افضل کہتی ہے علم جاننا ہے لیکن ہر شے کا جاننا گو لغت میں علم کہلائے عرف میں علم نہیں ہے جس کے جاننے سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ علم ہے یعنی مفید علم علم ہے ورنہ لغو وعبث یا جرم۔ چنانچہ چوری ڈاکہ، دغا بازی دھوکہ دہی ظلم زیادتی مراص کی باتوں کو کوئی صاحب عقل علم نہیں کہہ سکتا بلکہ ایسی باتوں کا سیکھنا سکھانا ہر صاحب عقل کے نزدیک جرم ہے۔ اہل عقل تو صرف مفید کے جاننے کو ہی علم کہہ سکتے ہیں۔ پھر مفید بھی دو طرح کا ہے ضروری یا غیر ضروری، ضروری علوم کو غیر ضروری سے ہر شخص جانتا ہے کہ ترجیح حاصل ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ علوم بے حد ہیں اور تھوڑی سی عمر تھوڑا سا ذہن و حافظہ۔ تمام علوم کو تو کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ صرف بعض کو ہی حاصل کرے گا۔ اب وہ بعض اگر غیر ضروری ہے اور ضروری علوم ترک کر دیئے گئے تو اس سے زیادہ احمق کون ہو گا پھر ضروری علم میں بھی دو درجہ ہیں حیات عارضی کے لئے ضروری یا حیات دائمی کے لئے ضروری اول دنیوی دوم دینی اب عارضی ضروریات کو دائمی ضروریات پر ترجیح دینے والا بھی آپ سمجھ لیجئے کیسا ہوتا ہے لیکن ضروری دائمی کے

ساتھ عارضی ضروری بھی جمع ہو سکتا ہے۔ اگر اس عارضی سے دائمی میں
قطعاً خلل واقع نہ ہو ورنہ پھر اس کا جمع کرنا بھی عقل کے خلاف ہوگا۔
لہٰذا دنیوی علوم میں ایسی مشغولی کہ دین کے ضروری علوم و اعمال سے
ناواقفی رہے۔ بے عقلی ہے نہایت مضر اور تمام قوم کو تباہ کرنے والی
بات ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ اسکول و کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے
جاتے ہیں وہ موقوف کر دیئے جائیں۔ اگر معاشی زندگی میں ان کی ضرورت
ہے تو ان کا پڑھانا درست تو ہے مگر اس طریقہ سے کہ پڑھنے والے
بچے پکے مسلمان رہ سکیں جس کے لئے پہلے ان علوم و فنون کو مسلمان
بنایا جائے۔ ان کی لا مذہبیت کی باتیں اور مضر دین و اخلاق مضامین کو
حذف کرایا جائے۔ جیسے اسلاف نے منطق و فلسفہ کو مسلمان کیا تھا۔ پھر
دین کے ذوق شوق اور درستی اخلاق کے مضامین کا اضافہ کیا جائے۔
عملہ اور خصوصاً استاد دیندار رکھے جائیں۔ ان کی اسلامیت اور عملی
و اقتصادی زندگی کو اجاگر کیا جائے۔ کہ پڑھنے پڑھانے والے سبھی
پکے مسلمان ہوں۔ احکام اسلام کی کتابیں داخل نصاب ہوں۔ مگر
ضروری اور مدار بن کر ہوں اس وقت ان کا حاصل کرنا روحانیت اور
اسلامیت کو تباہ کرنے کے مرادف نہ ہوگا۔ ورنہ جو حشر آج ہو رہا ہے۔
وہ کسی ہوشمند سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ موجودہ روش اولاد کے ساتھ
خیانت ہے خدائی جرم ہے اور قومی تباہی کا کام ہے۔ کاش محکمہ
تعلیم یا اس تک دسترس رکھنے والے ان باتوں پر غور کر لیں کہ

اب تو اپنا ملک اور اپنا نظام ہے۔ انگریزوں نے اسلام سے دور کرنا چاہا تھا۔ ہم ہر ایک کو مسلمان اور پکا مسلمان بنا دیں۔

دائمی ضروری علوم وہ دینی علوم ہیں جو نجات کا ذریعہ بنتے ہیں پھر ان علوم کی بھی دو قسمیں ہیں فرض عین و فرض کفایہ یعنی بعض وہ علوم ہیں جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور وہ وہ ہیں جو عذاب الٰہی سے نجات دینے کا ذریعہ ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ ہر قبیلہ سے بعض بھی اگر حاصل کریں تو ان کے گروہ سے فرض ادا ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) میں نوع اول کی فرضیت کا بیان ہے اور آیت فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الآیۃ (تو کیوں نہیں چلی۔ ہر فرقہ و برادری سے ایک جماعت کہ دین کی پوری سمجھ حاصل کرتے اور جب واپس ہوتے تو اپنی برادری کو پہنچاتے۔ میں نوع دوم کی فرضیت علی الکفایہ ہے جس کی قدرے تفصیل آئندہ سطور میں پیش ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

اس کے بعد یہ امر بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ علم خود مقصود نہیں ہے علم صرف اس لئے پسندیدہ ہے کہ وہ کسی اچھے عمل کا ذریعہ ہے۔ نہ ہو بُرے عمل کا ہو یا ذریعہ ہی نہ ہو تو وہ پسندیدہ نہیں خود معیوب یا حرام ہے۔ پھر ذریعہ عمل ہونے کے بعد بھی اگر عمل نہ ہو تو علم بیکار اور اضاعت عمر ہے اگر آپ کو تجارت، زراعت کے علوم اور بہت

کچھ صنعت وحرفت کے علوم حاصل ہیں۔ لیکن خرید فروخت کاشت و صنعت کا کوئی عمل نہیں تو علم بے کار رہا اگر دوسرے کو ہدایات دے دی گئیں تو بھی کچھ نفع ہوا کہ یہ بھی ایک عمل تھا ورنہ اضاعت وقت رہا۔

اسی طرحِ علوم دین میں بھی عمل مقصود ہے جو عقائد میں ربط القلب دِل کو اس پر جما لینا ہے۔ عقیدوں کا صرف جان لینا بھی کافی نہیں ہے چنانچہ قرآن شریف میں یہودیوں کیلئے ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ (وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) مگر دل کو اس پر نہ جمانے کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہو سکے لہذا عقیدہ کا صرف جاننا مفید نہیں۔ دل میں جمانا معتبر ہے۔ جو دل کا عمل ہے۔ اور عبادات و معاملات میں اعضاء کا کام کرنا یا خود مسائل کی حفاظت کا عمل ہے۔ سورہ والعصر میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیشک ہر انسان بہت خسارہ میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک نے دوسرے کو حق (صحیح عقائد) کی وصیت کی اور (عبادات کے کرنے اور گناہوں سے رکنے پر) صبر کی وصیت کی وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ اس خسارۂ عظیم سے نجات کے تین عمل ہیں (۱) ایمان جو عمل قلب ہے۔ (۲) اعمال صالحہ جو عمل اعضا ہے۔ مگر

لازمی کہ جس کا فائدہ اسی تک ہے۔ (۳) تواصی بالحق و تواصی بالصبر
عقیدہ و عمل کی نصیحت جو عمل اعضا ہے مگر متعدی کہ دوسروں کو عقائد و
اعمال کی دلسوزی سے تبلیغ معلوم ہوا کہ ذریعہ نجات اعمال ہیں۔ علوم
نہیں کہیں عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نہیں آیا۔ یعنی نیک کاموں کا جاننا ذریعہ نجات نہیں
لیکن ہر عمل خود اس کے اجزاء و شرائط و ذرائع وغیرہ کے جاننے
پر موقوف ہے اس لیے بحکم مقدمۃ الواجب واجب ان اعمال لازمہ
و اعمال متعدیہ کے علوم بھی فرض ہوئے کیونکہ انسان کے خسارہ سے
بچنے کے لیے تین کام فرض ہیں۔ (۱) ایمان اور نیک (۲) عمل۔ تو ان دونوں
کا علم صورت ادائیگی اور مسائل جن کے بغیر یہ نہیں ہو سکتے۔ فرض ہوئے
یہی قسم اول فرض عین علم دین ہے۔ (۳) اور دوسرا اُن کو عقائد اعمال کی تبلیغ
بھی فرض ہے تو اس کا علم صورت ادائیگی مسائل و ذرائع بھی فرض ہوئے جنکے بغیر یہ
نہیں ہو سکتی۔ یہ علم دین قسم دوم ہے۔ لہذا اعمال متعدیہ اور ان کے علوم
بھی فرض عین ہونے چاہئیں۔ یہ محض فضل ہے کہ ان کو فرض کفایہ قرار دیا
ہے جو انشاءاللہ آگے عرض ہوگا ورنہ محض علم دو کہ علم بے عمل زہر است بے نوش"
شیطان کو بھی حاصل ہے۔ لہذا علوم محضہ جہاں عمل کا نام نہ ہو یا غلط عمل ہو
شیطانی طریق ہے ایمانی و عرفانی طریق نہیں۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی ❀ چوں عمل در تو نیست نادانی

اب علوم دین کے مدرسے دو قسم کے ہونے چاہئیں۔

مدارس قسم اول

اول وہ مدارس جو ہر ہر مسلمان کو اس کے اعمال لازمہ کا علم دین عز
فقہ عبادات، معاملات، معاشرات اخلاق وغیرہ کے وہ تمام علوم و احکام جن کا
جاننا ہر ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہیں ان کے لئے تخصیص کسی زبان کی نہیں
اپنی اپنی زبانوں میں سیکھ لینا کافی ہے۔ بلکہ جاننے والوں سے خوب پوچھ
پوچھ کر معلوم کر لینا بھی بعض دفعہ کافی ہو جاتا ہے۔

مدارس قسم اوّل کی اہمیّت

ہمارے ملک میں اب تک ایسے مدارس نہیں رہیں۔ تعلیمی کا نفرنس
کا فرض تھا کہ ایسے مدارس قائم کرائیں۔ جن میں ہر ہر مسلمان کا فرض عین
علم اس کی اپنی زبان میں حاصل ہوتا اور اس میں عمل کے اہتمام کے بھی انتظام
ہوتے جس سے وہ مسلمان جو فرض عین علم حاصل کر کے دوسرے دینی
ضروری علوم یا ضروری مشاغل میں مصروف ہوتے اس علم و عمل سے مسلمان کامل ہو
اور ہمیشہ تک مسلمان رہے کافروں کی عیاری کا شکار نہ بن سکتے اور اس اپنے فرض کے
تارک ہونے کے گناہ سے بچتے۔ آج جو مسلمان دہریت لامذہبیت
بدعملی بدکرداری، بداخلاقی، بدمعاملگی کا شکار ہو رہے ہیں اور اس کی
نحوست سے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں بلکہ سزاؤں میں مبتلا
ہو رہے۔ اس سے محفوظ رہتے۔

ہمارے یہاں ایسے مدرسوں کی بے انتہا ضرورت ہے۔ آخر جیسے ہر آدمی اولاد گھر والوں اور متعلقین کے لئے مکانات جائداد ملازمت یا کاروبار کے پورے انتظامات کرتا ہے اور خود ساری عمر مصیبت اُٹھا اُٹھا کر کرتا ہے۔ ان سب کو سچا پکا مسلمان بنانے اور ان کو مسلمان رکھنے اور آخرت کے عذابات سے بچانے کے سامان فراہم کرنا بھی تو اپنا فریضہ قرار دینا ضروری ہے۔ کیا یہ ضروری بات نہیں کہ اولاد اور متعلقین اس دو روزہ زندگی میں راحت اٹھائیں۔ توکل کو عذابات میں مبتلا نہ ہوں جو ہمیشہ کی زندگی ہے کیا اولاد کا مستقبل سنوارنے والے صرف عارضی مستقبل کے انتظامات تو کریں۔ اور دائمی سخت ضرورت کے مستقبل سے یوں غافل رہیں۔ ذرا سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے۔

اگر ان مدارس کے انتظامات نہ کئے گئے۔ تو گویا ہم اپنے ہاتھوں اولاد کو زندہ درگور بلکہ دوزخ کر رہے ہیں اولاد خدائی امانت ہے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ جواب کی بھی فکر ضروری ہے

اگر اس غفلت سے اولاد ناخلف بنتی ہے تو قصور کس کا ہے؟

یہ مدرسے قسم دوم کے مدرسوں سے الگ ہونے چاہئیں۔

ہر محلہ اور ہر مسجد کے تحت ہوں قوم سب کو مجبور کرے کہ دینی علوم حاصل کریں یہ کام ساری قوم کا نفرنسوں اور رہنماؤں کا ہے۔ بلا پوری کوشش کے یہ مدارس مشکل ہیں اور بغیر ایسے مدرسے بنے۔ بچوں کو مسلمان رہنا ماں باپ کے حقوق پہچاننا بھی دشوار ہے بلکہ صاحب حیثیت

لوگوں کے لئے تو یہ کام نہایت ہی ضروری ہیں کہ جیسے وہ دنیوی تعلیم یا کاروبار کے لئے ٹیوشن سے تکمیل کراتے ہیں وہ کسی نیک صاحب علم کو معقول معاوضہ پر بطور اتالیق مقرر کریں جو زمانہ کی مسموم فضاؤں سے اس کے دل دماغ، ذہن و عقل کی حفاظت کریں اور سچا پکا مسلمان بنا سکیں۔ معلوم نہیں لوگ ایسی سخت ضرورت سے کیوں پہلو تہی کر کے تربیت میں خائن بنتے ہیں۔

اگلے مسلمانوں نے والدین کی تعلیم کو اس کے لئے کافی سمجھا تھا۔ اب چونکہ والدین خود بے بہرہ ہیں۔ خود اسکول کالج کے ماحول سے متاثر اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ بلکہ دوسرے عزیز بھی جو وقتاً فوقتاً بچے کو اسلامی تعلیم دے سکتے تھے ناواقف رہ گئے ہیں۔ اب بچے ان سے بھی محروم رہ گئے کہ اب کوئی باتوں باتوں میں بھی اسلامی تعلیمات سکھانے والا نہ رہا۔ اس لئے ان مدارس کی ضرورت بہت شدید ہو گئی ہے۔ پھر چونکہ مقصود اعمال ہیں اور علوم ان کا ذریعہ یہاں شریعت سے اعمال اور ان کے طریقے ارکان و شرائط و کیفیات معلوم ہو کر ان پر عمل کرانے کا بھی اہتمام ہو لیکن عمل کی سہولت اور غالب جیسول کی دشواری رفع کرنے کے لئے کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ٭ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ایسے مدرسوں کی بھی ضرورت ہے جو طریقت عمل سکھائیں طبیعت کو ادھر لائیں اور سہولت پیدا کریں جن کو خانقاہ کہا جاتا ہے وہ طریقت

یعنی طریقۂ عمل پر شریعت کو سہل کر کے سکھائیں۔

لہٰذا ان مدارس کے دو شعبے ہیں اول کا وجود نہیں ہے۔ اور دوم میں اصل کام کے بجائے بہت جگہ لغویت ہے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے کہ جو ان کا کام تھا وہ اس کو انجام دیں۔ اگر فی الحال ایسے مدرسے قابل اعتماد میسر نہیں آتے تو اتنا کام تو سہولت سے ہو سکتا ہے کہ گھر میں ایک وقت ۱۰-۱۵ منٹ کا مقرر کر لیا جائے اور سخت پابندی سے حضرت تھانوی کا کوئی وعظ یا ملفوظات پڑھ پڑھ کر سنانے کا کام ان کے متعلق ہو چند دن میں ان شاء اللہ سارے گھر کی کایا پلٹ ہو جائے گی یہ عجیب نسخہ ہے۔ بڑا آزمایا ہوا ہے چند ماہ کر کے دیکھ لیا جائے تو خود قدر معلوم ہو جائے گی پڑھنے والے اور سننے والوں میں دین کا ذوق شوق اور سینکڑوں صحیح ترین مسائل ذہن نشین ہو جائیں گے مگر پابندی کرانا آپ کا کام ہے۔

مدارس قسم دوم

دوسری قسم کے وہ مدرسے ہونے چاہئیں جن میں عبادات متعدیہ یعنی دوسروں کو دیندار بنانے کا اہل بنانے والے علوم ہوں ان علوم کا حاصل کرنا ہر قبیلہ پر فرض کفایہ ہے۔ یعنی ہر ہر شخص پر نہیں ایک گروہ پر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا

تو هم اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِم لَعَلَّهُم يَحْذَرُونَ ○ (نہیں تھے مسلمان کہ جہاد میں اچل پڑتے سب کے، سب کیوں نہ چلی ان کے ہر ہر فرقہ میں سے ایک ایک جماعت کہ وہ دین کی پوری پوری سمجھ حاصل کرتے اور اپنی قوم کو انجام پہنچاتے جب ان کی طرف لوٹتے تاکہ وہ برائی سے بچ سکتی)
تمام مسلمانوں کے غور کرنے کی بات ہے کہ کیسے رحیم و کریم نے فرمایا ہے۔ کہ مسلمان ایسے نہ تھے کہ سب عام حکم نہ ہونے کے وقت نکل پڑتے پھر کیسی [illegible] سے حکم دیا ہے کہ ہر فرقہ و برادری میں سے ایک ایک جماعت کیوں نہ چلی جو پورا دین سیکھتی پھر سکھاتی۔ یعنی یہ تو بتانے کی ہی بات نہ تھی تم کو خود ایسا کرنا تھا۔

غرض حکم یہ ہے کہ ہر برادری میں سے ایسی جماعت نکلے اور ساری برادری کے ذکر سے معلوم ہوا کہ ساری برادری کا یہ کام ہے کہ وہ ایسی جماعت [illegible] علم حاصل کرنے کے اور واپسی پر درس تبلیغ کے مواقع فراہم کرے یہ کام سب کا ہے سب کے ذمہ ہے سب اس کے جوابدہ ہیں۔ لہذا ہر ہر برادری کو ایسے مدرسے قائم کرنے یا دوسرے مدرسوں میں جماعت بھیج کر یہ علم دلانا فرض ہے غور کیجئے کہ ہم اس پر کیا عمل کر رہے ہیں اور کل کیسا جواب دیں گے۔

مدارس قسم دوم کے کام

ان مدرسوں کے یہ کام ہوں گے۔ (۱) علوم قسم اول فرض میں

سکھانا کیونکہ وہ علوم قسم دوم والوں پر بھی فرض ہیں۔

(۲) اعمال کا اہتمام بلکہ اہتمام رکھنا کہ یہ لوگ ہادی وپیشوا ہوں گے۔ اور اصل مقصود عمل ہی ہے۔

(۳) دین کی فقاہت یعنی ان تمام علوم اور اعمال میں مہارت جو دین کے بطوری پوری طرح سمجھنے اور دل میں حق کے جمنے کے لئے ضروری یا مفید ہیں ان میں ردِ شبہات کے علوم اور تنویر قلب کے اعمال بھی آ گئے۔

(۴) انذار یعنی احکام پہنچانے کا اہل ہونے کے علوم و عمل اور وہ تمام علوم جن سے دوسروں کو دین پہنچایا جا سکے۔ ان کو پوری طرح سمجھایا جا سکے۔ ان کے شبہات دور کرکے تسلی کی جا سکے اور وہ اعمال جن کی وجہ سے وہ روحی قوت پیدا ہو سکے جس سے "از دل خیزد بر دل ریزد" ہو سکے ہر چیز انوار آئینہ سے منور ہو کے۔ دوسرے تک پہنچے۔ تاکہ ایک ایک لفظ میں دل میں گڑ گڑ جائے۔

مدارس قسم دوم کے شعبے

یہ مدرسے تین شعبوں پر منقسم ہونے چاہئیں۔

(۱) مدارس علمیہ جن میں مذکورہ مقصد اول و دوم و سوم حاصل ہوں اور پاکستان و ہندوستان کے دینی مدارس اسی کام کے لئے ہیں یعنی ان کا ایک اہم مقصد یہ ہے اور منافع دا انشاءاللہ آگے عرض ہوں گے

(۲) ایسے مدرسے جن میں ضروریات انداز سکھائی جائیں۔ دوسروں کو دین پہنچانے کا اہل یعنی مبلغ بنانے کا کام کیا جائے اور اس کے کئی جزہیں۔ (الف) تدریس قسم اول کے مدرسوں کی۔ اور قسم دوم کے شعبہ ملا و ۲ کی اور یہ جزاہم ترین جز ہے۔ کیونکہ اس کے فوائد کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے اور اس سے دین کی جڑ کو مضبوط بنانا ہے۔ (ب) تقریر و وعظ۔ (ج) فرداً فرداً مسلمانوں کو تبلیغ احکام (د) غیر مسلموں کو دین کی تبلیغ۔ (ه) مناظرہ۔ اگر ضرورت واقع ہو کہ باطل مذہب والے کسی جگہ اپنا اثر قائم کرلیں تو مناظرہ کرکے اس کو دفع کیا جائے۔ (و) افتا و تجوید (ز) مذہبی مضامین و تصانیف اور رد باطل و مناظرہ تحریری وقت ضرورت (ح) شکوک و شبہات اور باطل مذاہب کے ابطال کے واسطے قدر ضرورت کتابوں کی تعلیم جن میں فلسفہ جدید و سائنس بھی داخل ہے۔ (ط) جس شخص کو جس مقام کا کام سپرد کیا جائے اس کو وہاں کی زبان کی بقدر ضرورت تعلیم خواہ وہ ہندی یا انگریزی جاپانی ہو یا جرمنی وغیرہ (ی) مدارس قسم دوم کے شعبہ ۳ کی تعلیم جو آگے آتی ہے۔ اس شعبہ کا نام درجہ تکمیل ہو تو مناسب ہے۔

اس ۲ کا ہونا بھی۔ مثل ۱ کے ضروری ہے گو ۱ اہم ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ اس پر بھی مشتمل ہے اور یہ اس پر مشتمل نہیں اور بغیر اس کے مفید بھی نہیں بلکہ بہت زیادہ مضر ہے۔ کیونکہ معتبر عالم بنے بغیر تبلیغ

کا کام خود اس میں غرور و بے راہی پیدا کرتا ہے اور قوم میں گمراہی جیسے کہ آج طرح طرح کے فرقے اسی سے پیدا ہو گئے اور ہو رہے ہیں اور مسلمان کو دین کے نام سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اس شعبہ میں صرف وہ طلبہ لے جائیں جو شعبہ علم سے فراغت حاصل کر چکے ہیں۔

پھر اس درجہ کا ایک دار العمل انجمن تبلیغ ضروری ہے جو ان طلبہ کو کام میں لگا کر وہ فوائد جو ان سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ حاصل کرائے کہ گاؤں در گاؤں گلی در گلی زبانی تبلیغ اور پوسٹر، پمفلٹ، رسائل و تصنیف تالیف کا کام لیا جائے ملک میں اسلام کے خلاف جو تحریک اٹھے یا کوئی مضمون نکلے اس کی باقاعدہ تحقیق کر کے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا فرض ادا کیا جائے۔ اور مسلم قوم میں از سر نو روح ایمانی پھونک دی جائے۔

۳ ایسے مدارس جو اعمال انداز عملی تبلیغ پیدا کریں یعنی یہ کہ ان میں نسبت مع اللہ حاصل ہو روح و قلب میں نورانیت عظیمہ پیدا ہو پھر اس نور کا اللہ نور السموات والارض سے اتصال ہو تمام اخلاق رذیلہ دور کئے جائیں۔ تمام اخلاق حسنہ پیدا کئے جائیں۔ اس کا ہر عمل ہر حرکت و سکون شرعی ہو کر مجسم تبلیغ واندازہو۔ اس کے ہر قول میں وہ نور و برکت ہو جس سے خود انتہا درجہ کا تابع سنت متبع شریعت ہو کر دوسروں کے دلوں میں جگہ کر جائے۔ اور پھر دوسروں کو بھی ایسا بنانے والا بن جائے اس کو صحیح معنے میں خانقاہ کہتے ہیں۔ آج کل کی نقلی یا دھوکہ کی خانقاہیں

نہیں اصلی مقاصد کے لئے اصلی خانقاہیں ہوں۔

ضرورت اس کی ہے کہ قسم اول کے دونوں شعبے اور قسم دوم کے تینوں شعبے الگ الگ قائم ہوں تاکہ تقسیم عمل کی وجہ سے ہر کام مکمل و عمدہ ہو کوئی اصلاحی جماعت اگر اس پر توجہ کر کے ان کو الگ الگ اہتمام و انتظام کے ساتھ اہل لوگوں کے ہاتھ سے انجام دلانے کی سعی کرتی تو واقع میں اصلاح کی فکر کرتی خدا کرے ایسی کوئی جماعت پیدا ہو جائے

مدارس کا مقصد اوّل

یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دینی و دنیوی ہر کام میں مقصود عمل ہے اور علم اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے بعد میں مقصد ہے پھر دینی اعمال اور علوم انتہا درجہ کے ضروری ہیں گو ہم کو ان سے غفلت ہے اور دنیوی علوم و اعمال بھی تا حد جواز ضروری ہیں۔ اس لئے علوم قسم اول کے بعد دنیوی علوم یا مشاغل بھی ایک درجہ میں ضروری ہیں۔ بلکہ جتنے علوم و فنون ایسے کاموں سے متعلق ہیں جن کے بغیر انسانی واقعی ضرورت اور بقائے عالم نہیں ہو سکتا۔ ان کا حاصل کرنا بھی اسلامی احکام میں فرض کفایہ ہے کچھ نہ کچھ لوگوں کو اس میں لگنا لگانا فرض ہے مگر اسی شرط سے کہ وہ ان میں لگ کر اسلام سے بے بہرہ نہ ہو جائیں اس لئے یہ سب کام علوم قسم اول کے بعد ہی ہوتے ضروری ہیں ورنہ دین کھو کر دنیا حاصل کرنا دانائی نہیں۔ تمام دنیوی علوم و فنون، صنعتیں حرفتیں تجارت

ملازمتیں، زراعتیں فرض کفایہ ہیں۔ مگر سچے پکے مسلمان رہ کر مسلمانوں کی دنیا دین کے بغیر خطرناک اور دین بغیر دنیا کے جائز فائدوں کے مشکل ہے دونوں کاموں کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی اگر ایک سے بھی صرف نظر کیا گیا تو ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گی۔ اس لئے ایک ایسی جماعت کا وجود عقلی و نقلی دلائل سے بہت ہی ضروری ہے جو صحیح دین کی خوب خوب ماہر ہو اب تقسیم کار کے قاعدہ سے علمائے دین کا کام مسلمانوں کے دین کی حفاظت اور دینی ترقی کے اسباب کی کوشش ہے۔ اور زعمائے قوم کا کام مسلمانوں کی قومیت اور ضروریات معاش اور ان کے علوم و اعمال کا انتظام کرنا ہے۔ علماء دین اپنے کام میں انکی دنیوی امداد کے ضرورتمند ہیں اور زعمائے قوم اپنے کام میں ان کی دینی اعانت کے بے انتہا ضرورتمند تاکہ دین سے نکل کر دنیا میں منہمک ہو کر اسلامیت کو خیرباد نہ کہہ دیں۔ اور پھر ہر طرح کے عذابوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور دوسروں کو بھی مبتلا نہ کر دیں۔ بقول۔ سعدی۔ ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد ❊ کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

لہذا دنیوی علوم و اعمال کا جائز انتظام زعمائے قوم کے ذمہ ہے اور دینی کا علماء دین کے ذمہ ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے مدد لینی ضروری ہے۔ جب تک دونوں اپنے اپنے فرائض کا پورا احساس اور ہمدردی سے کامل عمل نہ کریں گے یہ معاشرہ کی گاڑی لنگڑی لنجی رہے گی اور خطرہ میں پڑی رہے گی۔ پھر ان دینی علوم میں سے چونکہ قسم اول کے شعبہ

اول کے لئے مقامی بلکہ ہر محلہ بلکہ ہر مسجد کے تحت میں ایک مدرسہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت علماء دین ہمیشہ بتاتے رہے اور وقتاً فوقتاً قائم بھی کرتے رہے ہیں مگر وہ مدارس قوم کے عدم احساس کی وجہ سے کم اور مقامی ہونے کی وجہ سے چھوٹے رہے ان میں مرکزی شان نہ ہو سکی نہ وہ معروف ہو سکے دوسرے اب تک اردو میں بہت سی تالیفات اور مواعظ وغیرہ کی کثرت سے ان کے کچھ فوائد ویسے بھی حاصل ہوتے رہے تیسرے والدین کی دین داری کی وجہ سے بھی یہ فوائد حاصل ہو جاتے تھے اس لئے اہل مدارس کی توجہ قسم دوم پر رہی جو خواص ہیں قسم اول پر بھی مشتمل رہی اور ایسے مدارس بنانے والوں پر بھی مشتمل رہی پھر قسم دوم کے شعبہ اول کو جو بہت زیادہ اہم اور بہت ضروری تھا بلکہ بوجوہ آئندہ سب سے زیادہ ضروری تھا اصل قرار دیا پھر بھی قسم دوم کے شعبہ دوم مع جمیع اجزاء و شعبہ سوم و قسم اول کے شعبہ دوم بھی کچھ کچھ اختیار کئے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ہر شعبہ کامل اور الگ بھی ہو اور بڑے اہتمام و شان سے ہو۔ امید ہے کہ اسلامی درد رکھنے والے ہوشمند حضرات اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ اور پوری جان توڑ کوشش کر کے ایسے مدارس جگہ جگہ قائم کرائیں گے۔ تاکہ آئندہ نسلیں مسلمان اور سچے پکے مسلمان رہ سکیں۔ وہ اپنے اسلاف کو اپنی محرومی کے رنج و احساس پر گالیاں نہ دے سکیں۔ اور موجودہ حضرات اس خدائی امانت کے پورے حقوق ادا کرنے والے شمار ہو کر خائن ہونے سے بچ سکیں۔

اول کے لئے مقامی بلکہ ہر محلہ بلکہ ہر مسجد کے تحت میں ایک مدرسہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت علماء دین ہمیشہ بتاتے رہے اور وقتاً فوقتاً قائم بھی کرتے رہے ہیں مگر وہ مدارس قوم کے عدم احساس کی وجہ سے کم اور مقامی ہونے کی وجہ سے چھوٹے رہے ان میں مرکزی شان نہ ہو سکی نہ وہ معروف ہو سکے دوسرے اب تک اُردو میں بہت سی تالیفات اور مواعظ وغیرہ کی کثرت سے ان کے کچھ فوائد ویسے بھی حاصل ہوتے رہتے تیسرے والدین کی دین داری کی وجہ سے بھی یہ فوائد حاصل ہو جاتے تھے اس لئے اہل مدارس کی توجہ قسم دوم پر رہی جو خواص ہیں قسم اول پر بھی مشتمل رہتا اور ایسے مدارس بنانے والوں پر بھی مشتمل رہی پھر قسم دوم کے شعبہ اول کو جو بہت زیادہ اہم اور بہت ضروری تھا بلکہ بوجوہ آئندہ سب سے زیادہ ضروری تھا اصل قرار دیا پھر بھی قسم دوم کے شعبہ دوم مع جمیع اجزا و شعبہ سوم و قسم اول کے شعبہ دوم بھی کچھ کچھ اختیار کئے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ہر شعبہ کامل اور الگ بھی ہو اور بڑے اہتمام و شان سے ہو۔ امید ہے کہ اسلامی درد رکھنے والے ہوشمند حضرات اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ اور پوری جان توڑ کوشش کر کے ایسے مدارس جگہ جگہ قائم کرائیں گے۔ تا کہ آئندہ نسلیں مسلمان اور سچے پکے مسلمان رہ سکیں۔ وہ اپنے اسلاف کو اپنی محرومی کے رنج و احساس پر گالیاں نہ دے سکیں۔ اور موجودہ حضرات اس خدائی امانت کے پورے حقوق ادا کرنے والے شمار ہو کر خائن ہونے سے بچ سکیں۔

لہذا ان مدارس دینیہ کا پہلا مقصد اعمال و اخلاق کی نگرانی کے ساتھ ان علوم دینیہ کی تعلیم ہے جن سے دین کی پوری پوری سمجھ حاصل ہو اور ایسی سمجھ حاصل ہو کہ ہر بات نہایت تحقیقی اور عمیق نظر سے یقینی معلوم ہو۔ انشاء اللہ نصاب کے درمیان میں عرض ہوگا کہ اسکے لئے کن کن علوم اور کن کن کتابوں کی اور کس مقدار میں ضرورت ہے اور اس کام کے لئے کس قدر بے نہایت قابلیت درکار ہے۔ اور وہ ان مدرسوں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ خامی کے اسباب کہاں ہیں۔ ان کا دفعیہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسلامیات میں رد و بدل اور تحریفات کرنے والوں کی روک تھام ان سے ہی ہو سکتی اور اس کے طریقے وغیرہ۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فرض مسلمانوں پر عائد ہوا تھا کہ ہر ہر فرقہ و برادری سے ایک ایک جماعت ایسی بنے جو دین کو پوری طرح سمجھے اور دوسروں تک پہنچائے۔ یہ مدرسے اس فرض سے سبکدوش کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اب ___ کا کام ہے کہ وہ ہر برادری سے کچھ لوگ بھیجیں۔

مدارس کا دوسرا مقصد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو امانت آلہیہ لے کر تشریف لائے تھے یعنی دین آلہی اور اس کو امت مسلمہ کے سپرد فرما کر اور پوری طرح سمجھ کر عمل کرا کر دلوں میں جما کر کائنات عالم کی کایا پلٹ کر کے اس کو امت کے ہاتھوں میں دے کر تشریف لے گئے اب

اس کی پوری پوری حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے۔ دین کے خزانوں کی حفاظت
ہے۔۔۔ جو قرآن مجید اور حضور کے ارشادات ہیں، ان کے الفاظ بھی معانی بھی
مدلولات بھی اشارات بھی اس حفاظت کے لئے ایسے ماہرین کی ضرورت
ہے جو اسے مخالفین یا نادان لوگوں کی کتر بیونت سے محفوظ رکھیں اصل کو
پرکھ پرکھ کر غیر سے ممتاز کر دیں جو غلط مفہومات بدنیتی یا نادانی سے لوگ
سمجھنے لگیں ان کو رد کریں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے حق کو حق
باطل کو باطل کر کے دکھائیں اور ظاہر ہے کہ ایسے درجہ کے قابل ترین و ماہرین
بغیر اس کے نہیں ہو سکتے کہ ان کی عمریں انہی علوم کی چھان بین اور تحقیقات
میں صرف ہوں اور دوسرے تمام فکروں سے ان کو سبکدوش کر دیا جائے
ان کو صرف یہی ایک فکر یہی ایک دھن ہو کیونکہ چند کاموں یا فکروں میں
پھنس کر آدمی ایک میں بھی کمال پیدا نہیں کر سکتا جیسے کہ ہر شخص نامشاہد
ہے پہلے ہر حکومت اسلامی یہ کام کرتی تھی۔ عوام سبکدوش تھے لیکن اب تو
اس کا انتظام اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ عوام کی طرف سے بڑے
بڑے مدرسے بڑے کتبخانے فراہم کئے جائیں اور بہت کثرت سے کتب
بینی کے محرکات پیدا کئے جائیں تب کہیں ایسے زبردست عالم پیدا
ہوں گے جو اس طرح دین اور دینیات کی حفاظت کر سکیں گے۔ اس کے
لئے مرکزی صورت کے بڑے مدرسوں کی ضرورت ہے اور مرکزی مدرسہ
ایکدم قائم ہو جانا بہت بعید ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب لوگوں کو
دین کی طرف توجہ بھی کم ہو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کثرت سے چھوٹے

چھوٹے مدرسے قائم کئے جائیں جو ترقی پا جائے وہ مرکزی شان حاصل کر لے چونکہ دین کی حفاظت کا حسب عادت جاریہ یہی ایک طریق ہے اور حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے۔ امانت الٰہیہ سب کے سپرد ہے اس لئے اس میں بقدر اپنی طاقت کے سب کو شرکت کرنا ضروری ہے۔ جو علمی کام کر سکتا ہے وہ علمی کرے جو علمی نہیں کر سکتا وہ ہر طرح کی امداد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے ورنہ سوچیئے کہ ہم اس امانت کی سپردگی و حفاظت سے کیسے عہدہ برآمد ہو سکیں گے۔ پھر چونکہ یہ ہماری اسلامی زندگی کا مدار ہے اس لئے دوسری ضرورتوں کی طرح ہر شخص کو لازم ہے کہ اس فرض کی سبکدوشی کا احساس نہایت شدت سے ضروری سمجھے بلکہ تمام دنیوی ضرورتوں سے مقدم رکھنے کی فکر ہونی چاہیئے

مدارس کا تیسرا مقصد

دین سے تعلق رکھنے والے ہر فن اور ہر علم میں ایسے ... معتبر علماء کی ضرورت اور کافی تعداد میں ضرورت ہے جو اپنے علم و فن میں دوسرے اہل علم کی مشکلات کو حل کر سکیں۔ ان کو جو شبہات پیش آئیں تسلی بخش جوابات سے ان کی تسکین کر سکیں۔ لغزش کرنے والے اہل علم کو سنبھال سکیں گو ان حضرات کا علمی درجہ اوپر والوں سے کم ہوگا مگر پھر بھی وسیع ترین معلومات بہت زیادہ مطالعہ اور زبردست قابلیت کی ضرورت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی مدرسہ میں صرف تعلیم حاصل کر کے

کوئی شخص کسی فن کا ماہر نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ آج ہر کالج ہر یونیورسٹی پر اس کا تجربہ ہے۔ ڈاکٹری انجینئری طبی کالجوں اور بڑی یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کرنے والے بھی فوری طور سے کوئی کام مہارت کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ تجربہ کاروں سے مدد لے کر کچھ عرصہ نشیب و فراز سے واقفیت نہ حاصل کرلیں۔ طبیب نبض و قارورہ اور نسخہ نویسی۔ ڈاکٹر امراض کی تشخیص و تجویز۔ انجینئر کو عمارتوں کے حالات مدتوں کے تجربات سے ہی حاصل اور پختہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح علمائے دین بھی فراغت کے بعد مدتوں کام میں لگنے سے ہی پختہ تجربہ کار بن سکتے ہیں۔ کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس سے صرف وہ استعداد حاصل ہوتی ہے کہ اب جس فن میں محنت کرے گا خود بلا کسی کی امداد کے کمال حاصل کرلے گا۔ اس لئے ایسے باکمال علمائے دین کی ضرورت اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جگہ جگہ مدارس قائم ہوں یہ لوگ اپنی عمر اپنے بندوں میں صرف کریں دن رات ایک کرکے ہفتوں بلکہ مہینوں مسلسل جاگ جاگ کے برسوں میں یہ کمال پیدا کریں۔ یہ سب کام مدارس کے کثرت کے ساتھ قیام اور بڑے کتب خانوں کے اجتماع اور مجمع اہل علم کے ہر وقت اختلاط اور علمی مذاکرت کی کثرت سے ہو سکتا ہے۔ جو عالم اتنا تجربہ کار منجھا ہوا نہ ہو اور علم کا پختہ کار نہ ہو۔ درحقیقت وہ عالم معتبر ہی نہیں۔ آج سارے عالم میں جو بعض اہل علم گمراہیوں کا ذریعہ بنے ہیں وہ ایسے ہی ناقص لوگ ہیں اپنے ہمیں گو ان کو انشاپردازی کی وجہ سے لوگوں نے غلطی سے عالم دین سمجھ

دیا ہے۔ اور ان کے اتباع سے گمراہ ہو گئے پھر یہ ایسے تجربہ کار ماہر ہی علم کے صحیح و غلط اور ناقص و کامل ہونے کا معیار ثابت ہو سکتے ہیں جس مدعی علم کی بات کو یہ ناقص بتائیں۔ اس کو ناقص جس کو کامل کہیں اس کو کامل ماننا چاہیئے۔ جیسے تجربہ کار ماہر سنار ہے کہ جس سونے کو وہ کھرا بتائے گا وہ کھرا جس کو کھوٹا بتائے گا وہ کھوٹا ماننا ہوگا۔ چاہے گریجویٹ انجینئر ڈاکٹر وکیل بیرسٹر کیسا ہی قابل پوچھنے والا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ سونے سے ناواقف ہیں ایسے یہ سب ڈگری دار دین سے ناواقف ہیں۔

مدارس کا چوتھا مقصد

علوم دینیہ کے خزانے یعنی کتابیں محفوظ کرنا ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ علوم دینیہ کی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور علمی کمالات پیدا کرنا بغیر ان علمی خزانوں کے ناممکن سا ہے اور بہت کتابیں اب تک بھی ایسی ہیں جو چھپ نہیں سکیں مگر ابھی دنیا میں ان کا وجود ہے اگر ان کو طبع کر کے محفوظ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو ان کے ہی نیست نابود ہونے کا خطرہ ہے۔ پھر مطبوعہ بھی بہت زیادہ ہیں ان کو محفوظ کرنا اور جمع کرنا بھی ضروری ہے کہ موجودہ آئندہ زمانوں میں دین کی ادنیٰ و اعلیٰ تمام ضرورتوں میں ان سے کام لیا جا سکے اس کے لئے کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہے مگر غریب طبقہ اہل علم کے پاس اس قدر روپیہ نہیں ہے سہل صورت یہی ہے کہ مدارس قائم ہوں مخلصین دو دو چار چار صد ہزار روپیہ بھی دیں مسلمانوں کے پاس بڑے دینی علوم کے خزانے ہیں اور ہر شعبہ علم میں مکمل خزانوں کا ذخیرہ ہے مگر مسلمان ناقدرے ہو گئے اور جگہ جگہ منتشر بکھرے ہیں۔

کرکے امداد کریں تھوڑی تھوڑی کتابیں جمع کرکے ایک ذخیرہ عظیم حاصل ہو جائے چنانچہ بحمد اللہ مرکزی مدارس میں ایسے کتبخانے ہو گئے ہیں گو ابھی اور بھی ضرورت ہے اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ اہل خصوص کی امداد سے پوری ہوتی رہے گی۔ اسی طرح امید ہے کہ آپ کی دینیات کا یہ خزانہ کبھی نہ کبھی وقت کسی نہ کسی جگہ انشاء اللہ پورا ہوگا یا متعدد جگہ سے مل کر پورا ہو جائے گا۔ اگر کتابوں کا ایسا ذخیرہ کہیں جمع نہ ہو۔ تو آئندہ نسلوں کے لئے دین کی صحیح معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا۔

دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے جن ماہرین اور چوٹی کے علماء کی سخت ضرورت تھی وہ بغیر ان خزائن دینیہ کے یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتے اور خود ان کے پاس اسقدر روپیہ کہ وہ ایسے ذریعہ وسیع کتبخانے جمع کرکے ان میں مصروف رہیں۔ بہت لیپید تھا یہ صورت مدارس سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کتابوں کی حفاظت دین کی ہی حفاظت ہے اور وہ سب کا دینی و قومی فریضہ ہے جو اسی صورت سے ادا ہو سکتا ہے تو ایسے مدرسوں کا قائم کرنا قومی و دینی اس طرح کا بھی ہے اور ہمیشہ کے روزافزوں ثواب کا ذریعہ بھی۔

کتابوں کا فقط جمع کر لینا اور ان سے کام نہ لینا تو زیادہ مفید نہ صرف یہ حفاظت اور فائدہ ہو سکتا تھا کہ کبھی کبھی کوئی شخص ایک مستفید ہو سکے موجودہ مدارس کی شکل میں ان سے ہر وقت کام لیا

ہے اور لیا جا رہا ہے اور بحمد اللہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ انہی کی بدولت درس و تدریس تصانیف مضمون نگاری مواعظ وغیرہ جملہ امور انجام پا سکتے ہیں اور مسلسل انشاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ یعنی چونکہ یہ فریضہ صرف کتب خانہ قائم کر لینے سے پورا نہیں ہو سکتا جب تک ان سے کام لینے والے نہ ہوں اور جب تک کام لینے کے محرکات نہ ہوں ان سے استفادہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی طبیعت آرام پسند ہے۔ بے وجہ کوئی ہر وقت کی کتب بینی میں نہیں لگ سکتا ہے۔ اسلئے اس کے لئے ایسے کام تجویز کرنے ضروری ہیں جن کی وجہ سے ذوق و شوق پیدا ہو کتب بینی کی مجبوری لاحق ہو اس کا ایک محرک مسلط ہو مدرسوں میں انہی چیزوں کو جمع کیا جاتا ہے درس تدریس بحث مذاکرہ تقریر وعظ تالیف و تصنیف وغیرہ اس طرح یہ خزانہ کارآمد ہو کر جمع ہوتا ہے۔

مدارس کا پانچواں مقصد

ان خزائن دین کی تدوین ترتیب شرح حاشیہ تسہیل اور پھر طباعت و اشاعت اور نایاب کتابوں کی تلاش کا بھی کام ہے جو کتابیں فتنۂ تاتار وغیرہ یا دوسرے فتنوں میں جلا دی گئی ہیں ان کی تلافی ہونی بھی ضروری ہے ایسی کتابیں طبع کی جائیں تو ان کو طبع کرنے کے واسطے بہت روپیہ کی ضرورت ہے پھر طبع کر کے جو کم از کم ہزار کی تعداد میں ہوں۔ اگر ان کو ایسے چند کتب خانوں میں تقسیم کر دیں یا چند اہل علم کو دے دیں۔

تو بقیہ بیکار رہیں گے اور طباعت کے واسطے کروڑوں روپیہ کی ضرورت الگ رہی نہ روپیہ ہو گا نہ طباعت ہو سکے گی۔ اسلاف کے زمانہ میں اسلامی حکومتیں اس کو اپنے فرائض میں سمجھتی تھیں اور انہوں نے بہت کچھ خدمات کی ہیں۔ لیکن یورپی اثرات دل و دماغ پر مسلط ہو جانے کے بعد اب اسلامی حکومتیں بھی اپنے اس فرض سے غافل ہو رہی ہیں۔

اس یورپی وبائی دور میں نواب صاحب حیدر آباد دکن جیسی ایک ایسی ہستی نظر آسکی ہے جس نے ادارہ "دائرۃ المعارف" قائم کر کے بہت سی نایاب کتابوں کو نئی زندگی بخشی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائیں۔ اور دوسرے حضرات کو بھی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمد للہ ہمارے ملک میں اہل ثروت اہل حوصلہ اور ہوشمندوں کی کمی نہیں ہے اگر وہ احساس کریں تو صرف چند مل کر ہی ایسا ادارہ قائم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نیک توفیق دیں۔

بہت سے تاجروں نے بھی اپنی تجارت کو دین بنایا۔ کہ پیسے بھی ملیں اور دین کی بقا و اشاعت کا ثواب بھی ملے دینی کتب کی دوہری تجارت ہو دنیا کی بھی ہو آخرت کی بھی۔

لیکن اشکال یہ ہے کہ وہ ہزاروں کی رقم لگا کر کتابیں تیار کریں تو خریدار کہاں سے لائیں اور لاگت بھی وصول نہ ہو سکے تو آگے کیسے طبع کریں البتہ جلد اس کی کثرت کیسے لوگ پیدا ہوں گے۔ جو ان کتابوں کا شوق رکھیں گے اور باوجود کم مایہ بلکہ بے مایہ ہونے کے۔

اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر کتابیں خرید کر علمی ذوق کو ترقی دیں گے ایسی تعداد ہزاروں لاکھوں پہنچنے سے خریدار پیدا ہوں گے۔ ان کتابوں کی طباعت و اشاعت کی سبیل سہل ہو جائے گی۔ چنانچہ بحمد اللہ اس کے آثار نمودار ہو چکے ہیں اور پاکستان و ہندوستان میں تصانیف و طباعت کا کافی ذخیرہ حاصل ہو چکا ہے۔ جس کا اعتراف ممالک اسلامیہ کو بھی ہے اسی طرح بیرون کے خزانے محفوظ اور روز بروز سہولت سے زیادہ ہو رہے ہیں اور ان سے سب فوائد حاصل کئے جا رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت حاصل کئے جائیں گے۔

مدارس کا چھٹا مقصد

کثرت سے مسلمانوں کے دلوں میں صحیح اسلام اور صحیح دین کا جہاد بنا ہے پھر آگے چل کر انشاء اللہ عرض کیا جائے گا کہ مدارس کے چندے اور ان کے مقصدوں کو حاصل کرنے میں بے انتہا مشکلات پیش آتی ہیں، جن کا مقابلہ اور انتظام بڑی مجاہدہ ہی سے کرنا ہوتا ہے۔ منجملہ ان مشکلات کے وہ عوائق ہیں جو طلبہ کو پیش آتے ہیں اور بہت سے طلبہ اثنائے تعلیم میں تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے ہر مدرسہ کی ابتدائی جماعتیں بڑی تعداد میں ہوتی ہیں آخر تک کم پہنچتی ہیں۔

اوّل تو ملک میں ہر شخص پیسوں کی دوڑ میں مبتلا ہے کہ ہر ایک چاہے کتنا ہی مال رکھتا ہو دوسروں سے بڑھنے کی کوشش میں لگا ہے۔ عمر بھر

پریشان اور افکار کا شکار رہتا ہے۔ اولاد کو بھی اسی لائن پر ڈالتا ہے نہ خود کو دین کا اہتمام تھا نہ اولاد کے لئے ہوا نہ قوم و ملک کے لئے پھر اگر کسی نیک خیال نے اولاد کا حقیقی مستقبل درست کرنے کے لئے یا اپنا فریضہ بے خیانت ادا کرنے کے لئے دین کے علم میں بچے کو لگا دیا۔ گو اجمل ہزاروں لاکھوں میں ایک دو ہی اس نیک خیال کا ہوتا ہے۔ تو بچہ کے ساتھ بھی نفس و شیطان لگے ہوئے ہیں جو ہر وقت دین کے علم کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ ادھر اسکول و کالج سے متاثر لوگ ہر وقت بہکانے کے لئے کوشش میں رہتے ہیں۔

پھر بچے کو بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ چچا، تلمئے، ماموں، خالہ کے بیٹے مالدار اور اونچے طبقے کے ہو جائیں گے میں رہ جاؤں گا۔ عمدہ کھانے، عمدہ لباس، عمدہ مکان، عمدہ سواری حشم خدم پر بھی رال ٹپکتی ہے۔

اب ان کو دین کے لئے ان تمام آرام راحتوں کو چھوڑنے پر آمادہ کرنا عمر بھر فقر و فاقہ سے رہ کر اپنا دین اور حسب مقدرت دوسروں کا دین محفوظ کرنے کے لئے تمام خواہشات کو پامال اور تمام مصائب کو لبیک کہنے پر تیار کرنا کوئی کھیل نہیں بے انتہا کٹھن کام ہے۔

اب ان سب کو اس طرح علوم و اعمال کی نگرانی میں تربیت کر کہ صحیح دین ان میں اگر کل نہ ہو سکے تو کچھ کچھ تو ضرور پیوست ہو جائے۔ اس طرح ایک بہت مقدار لا مذہبیت و دہریت و نیچریت وغیرہ وغیرہ خرافات سے بچ جاتی ہے یعنی جو لوگ پوری تعلیم حاصل نہ

کرسکے اور مدارس کے تمام مقاصد کو موانع کی وجہ سے پورا کرنے کے اہل نہ بھی ہوسکے تو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کم از کم وہ ان زہریلی باتوں سے تو بچ جائیں گے۔ آج اس کے آثار بھی بہت لوگوں میں ملیں گے۔

اس طرح ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی لامذہبی دور میں اسلام پر باقی رہ سکتی ہے۔ یہ بھی ایک زبردست فائدہ ہے اگر دین کی قدر ہو گو بعض کو بعد میں دوسرے مشاغل میں لگ کر بری صحبتوں میں پڑکر اخلاق و اعمال کی خرابی لاحق ہوتی ہے لیکن عقائد اکثر کے بالکل محفوظ رہ جاتے ہیں اور جو لوگ مکمل تعلیم اور مکمل تربیت حاصل کرلیتے ہیں وہ تو نیک کی مانند زاہستی بن جاتے ہیں۔ اور جن میں کچھ نقص رہ جاتا ہے وہ گو صاحب نقص ہو۔ مگر دوسرے لوگوں سے جب مقابلہ کرکے دیکھا جاتا ہے۔ تو بہت لوگوں سے بہت درجہ میں بہتر رہتے ہیں یہ سب مشاہدات ہیں جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔

مدارس کا ساتواں مقصد

یک مجمع علماء و صلحا کا جمع رہتا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً عوام سے ملتا رہتا ہے عوام پر ان کی صحبت کا اثر ہوتا ہے یا ہم مسائل و علوم کا چرچا ہوتا ہے عوام کو بھی مفت میں بے محنت بہت سے مسائل معلوم ہوتے رہتے ہیں اچھے اثرات پڑتے رہتے ہیں اُن کی علمی و عملی حالت بغیر کچھ کئے بھی بہت کچھ سنبھل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں

ایسے مدارس قائم ہیں وہاں کے عوام جاہل لوگ بھی جب دوسرے شہروں میں یا دیہات و قصبات میں جاتے ہیں۔ وہاں کی بہ نسبت ایک عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ بھی قریب قریب اب ہر شخص کو حاصل ہے اور انہی مدارس کی برکت ہے کہ آج سب زبانوں پر یہ آتا ہے کہ دنیا بھر میں جس قدر دینداری سہارنپور مظفرنگر میرٹھ دہلی وغیرہ کے اضلاع میں ہے اور کہیں نظر نہیں آتی۔ منصف مزاج سیاح لوگوں سے آپ اس کی تحقیق کر سکتے ہیں۔

مگر بعض ایسے لوگ جن کی نظر میں دین تقوی طہارت اور علوم دین کی کوئی عزت نہیں ہے اور وہ تمام کمالات کو یورپ کی تقلید میں منحصر سمجھتے ہیں بالکل کمالات ان کی نظر میں چند پیسوں کا مالک ہونا ہے۔ نہ ان کو مرنا یاد آتا ہے نہ اس کے بعد کے عیش و آرام اور تکالیف و عنایات پر نظر ہے گو آج کل ہارٹ فیل اور ایکسیڈنٹ وغیرہ کی وجہ سے موت بالکل سامنے کھڑی رہتی ہے۔ وہ بیشک آپ کو اس کے خلاف نظر آئیں گے۔ لیکن آپ ان کو معذور سمجھئے۔ جیسے بچہ کا معیار چند پیسے چند کھیل یا غربا کا معیار چند نشو پر دنیوی امور میں ختم ہو جاتا ہے وہ لکھ پتی کروڑ پتی لوگوں کی نظر میں مضحکہ کے قابل ہیں۔ اسی طرح ان کی نظر بھی قاصر ہے کہ دنیا کے چند کھلونوں پر جم کر رہ گئی ہے۔ وہ دین کے ان کمالات کے دیکھنے سے معذور ہیں۔ کافروں کے میل جول اور ان کی شان و شوکت سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ جیسے ان کو دور کی بینائی حاصل نہیں۔ یہ بھی

اپنی حاصل شدہ دور کی بینائی جو آسمانوں کو چیر کر اوپر پہنچنے والی تھی کھو بیٹھے ہیں مگر مسلمان کافروں کی طرح کم نظر نہیں ہوتا وہ کنوئیں کا مینڈک یا گولہ کا جھنگا نہیں۔ اس کی نظر کی جولان گاہ ایسی پست و محدود نہیں افسوس ہم نے بھی پست نظری کر کے اسی کو مقصود نظر بنا لیا۔

حالانکہ مسلمانوں کو اسلامیت ہی سے سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہیئے جیسے تاجر کا کمال تجارت کو کمال پر پہنچانا ہے مزارع کا کمال زراعت کو کمال پر پہنچانا ہے۔ پہلوان کا کمال پہلوانی کو کمال پر پہنچانا ہے ایسے ہی ہر مسلمان کا کمال اپنی اسلامیت کو کمال پر پہنچانا ہے جب تک مسلمان اس تگ و دو میں لگے رہے۔ اس کی وجہ سے سارے عالم سے ممتاز اور سب پر حاوی رہے جب یورپ کی یا دوسری مسموم فضاؤں سے متاثر ہو کر اپنی اسلامیت کی تکمیل سے غفلت برتنے لگے گو مالی حالت سے بہتر نظر آتے ہوں لیکن اور سب حالات میں اور وقعت و اطمینان کے رتبہ سے گر گئے عام پریشانوں میں مبتلا اور طرح طرح کے فتنوں کا شکار ہونے لگے۔

راحت جس کو انسان دنیا میں ڈھونڈتا ہے وہ مال دولت ثروت جاہ و حشم اور بڑے شمار ہونے سے حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خود اپنے گزشتہ و موجودہ حالات پر غور اور دوسرے بڑوں کی جستجو سے آپ اس کو معلوم کر سکتے ہیں یہ تو صرف آپ کی اسلامیت کے مستحکم ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ تحقیق کر کے دیکھ لیجئے جیسے جس قدر اسلامیت زیادہ

ہوگی۔ وہ باوجود دولت وثروت جاہ وحشمت نہ ہونے کے ان سے کہیں زیادہ راحت میں ہے جن کی اسلامیت کمزور یا فنا ہوچکی ہے۔ ان مدارس کی برکت سے ان کے یہاں کے عام لوگوں کی اسلامیت باوجود انقلاب زمانہ اور خراب حالات کے اور جگہوں سے نسبتہً بہتر ہے اور بغیر کچھ کوشش کئے بہتر ہے اگر تھوڑی سی کوشش کر لی جائے۔ چنانچہ بعض بعض کرتے بھی ہیں تو بہت جلد کمال اسلامیت پر پہنچ جاتے ہیں۔

عام تبلیغ وعظ وتلقین سے وہ فوائد نہ حاصل ہوتے جو عام مسلمانوں کو ان مدارسوں کے وجود سے حاصل ہیں۔ کیونکہ وعظ وغیرہ وقتی چیزیں ہیں کثیر تعداد میں مسائل ایک دم ذہن پر وارد ہوتے ہیں جو تحمل سے خارج ہو کر ذہن سے نکل جاتے ہیں اور اس اختلاط سے آہستہ آہستہ ایک ایک دو دو مسئلہ ہو کر آتا ہے اور دل میں دین ایسے جمتا رہتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی چنانچہ یہاں کے عوام اپنے کو جاہل مطلق سمجھتے ہیں۔ مگر جب دوسری جگہ جا کر دیکھتے ہیں تو ان کی نسبت اپنے اندر بڑا ذخیرہ علوم ومسائل کا پاتے ہیں۔ ان کو اس وقت اپنی قدر ہوتی ہے۔

مدارس کا آٹھواں مقصد

وعظ وغیرہ دل میں دفعتہً سننے سے جمتے نہیں اور بعض دفعہ سننے

میں دل نہیں لگتا۔ اگر پہلے سے بھی بہت کچھ علوم و مسائل کانوں میں پڑے ہوتے ہیں تو اب ذہن میں مواعظ جمتے چلے جاتے ہیں دل بھی لگتا ہے۔ اس لئے عام لوگ مواعظ سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل بھی انہی مدارس کے طفیل بن جاتے ہیں۔ توقع ہے کہ ہر دیندار مسلمان جو اپنے اندر مدرسوں کے ان فوائد کو محسوس کر رہا ہے۔ وہ اعتراف ضرور کرے گا کہ یہ فائدہ اس کو انہی مدارس سے حاصل ہوتا ہے۔

مدارس کا نواں مقصد

قسم دوم کے شعبہ دوم کا بھی کچھ کچھ کام انجام دینا ہے مگر اس کو تابع بنا کر اصل بنا کر نہیں۔ کیونکہ شعبہ دوم کا زیادہ تعلق مشق سے ہے اور عوام سے بھی رابطہ ہوتا ہے تو وہ وہ سے کبر و غرور پیدا ہو کر علمی کام شعبہ دا اوّل کا ہے اور وہ اصل اور جزو تھا۔ کمزور پڑ جاتا ہے۔ ہاں یہ کام الگ اور فراغت کے بعد ہوں تو حرج پیدا نہ کریں گے۔ بلکہ مفید ہو نگے۔ اور آج کل تو الگ مستقل بننا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بیدینی اور لامذہبیت کا جو سیلاب امڈا آ رہا ہے یہی چیز اس کے لئے بند بن سکتی ہے۔ پھر اس کے دونوں درجے علمی بھی عملی بھی یعنی تصوف تقریر و وعظ تبلیغ مسلمین وغیرہ مسلمین مناظرہ دافع مضامین نگاری تصنیف تالیف رد باطل وغیرہ کی تعلیم اور وقتاً فوقتاً ان کی عملی مشق۔

چنانچہ مدارس سے ان فوائد کو بھی بحمد کچھ حاصل ہوتے ہوئے آپ

دیکھیں گے بلکہ دیکھ رہے ہیں کہ تمام ملک میں اس کے اثرات پہنچ رہے ہیں۔

مدارس کا دسواں مقصد

مذکورہ بالا فوائد و مقاصد تو خاص خاص دینداروں لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں مگر مدرسوں سے سب کیلئے عام فائدے بھی بہت ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) اگر ان دینی مدرسوں کا وجود نہ ہوتے علماء نہ ہوتے تو آج کوئی یہ بتانے والا نہ ملتا کہ مسلمان کیسے بنتے ہیں اور مسلمان پر کیا کیا فرض ہے ان کو کیا کیا کرنا ہے اور کس کس چیز سے بچنا ہے۔ سب لامذہب ہوتے ہیں۔

(۲) مسلمان بھی دوسروں کی طرح درختوں، بتوں اور پتھروں کو پوجتے پھرتے۔ کہ کسی پتھر سے استنجا کیا کبھی اسی کو پوج لیا۔ ادھر بت کو پوجا۔ ادھر کتے نے اس پر پیشاب کر مارا۔

(۳) گیدڑ، لومڑی اور جنگلی درندوں تک کو کھاتے پھرتے یا پھر جانوروں کی طرح گھاس پھوس پر گذر کرتے۔

(۴) کافروں کی طرح مرغ بکری کی گردن مروڑ کر کھا کھا جاتے یا پھر جیسے بعض دیہات میں سنا تھا کہ ملاجی سے چھری پڑھوا کر رکھ لیتے تھے۔ اس سے ذبح کرتے تھے۔ اور اس طرح مردار کھایا کرتے۔ اب بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ہر مرد، عورت بچہ بڑا حلال کر لیتا ہے۔

(۵) پہلے زمانہ میں بہت سی قومیں اور مذہب دوسری قوموں میں منضم ہو کر فنا ہو چکی ہیں۔ یہی حال ہمارا ہوتا نہ کوئی دین کو بنانے والا ہوتا نہ بچانے والا۔ پھر نہ معلوم ہم کیا ہوتے۔

(۶) آج جو نام عبداللہ عبدالرحمٰن محمد علی، محمد یوسف وغیرہ ہیں، سنگھ رام لال بلکہ کچھ اور ہوتے۔

(۷) نکاح پڑھنا کوئی نہ جانتا اور آخر سب بے نکاح کے حرامی ہوتے۔

(۸) بجائے خدا و رسولوں کے نام کے نہ معلوم کیا کیا نام لئے جاتے بجائے قرآن حدیث، نماز روزہ کے نہ جانیں کیا ہوتا شراب اور سؤر کھانا پینا بنتا۔

(۹) بجائے غسل کفن نماز جنازہ و دفن کے چیل کوّے کھاتے یا دنیا ہی میں دوزخ رسید آگ میں جلتے۔

(۱۰) بجائے زمزم کے گائے کا پیشاب پیا کرتے وغیرہ وغیرہ۔ اگر مدرسے اور علماء نہ ہوتے تو مسلمانوں کا یہ عام حشر ہوتا۔

مدارس کا گیارھواں مقصد

جو عوام بلکہ تمام ملک و قوم کو فائدہ دینے والا ہے کہ جب کوئی وقار کا بھوکا پیسے بٹورنے والا عام مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنی جیب گرم اور اُلو سیدھا کرنے کے لئے اسلام میں کوئی نئی اُپج کھڑی کرتا ہے۔ احکام خدا و رسول کو پس و پشت ڈلوانے لگتا

یا ان یں اپنی من مانی باتوں کی تائید میں تحریف و ردو بدل کرنے لگتا ہے اور قرآن و حدیث پڑھ پڑھ کر غلط مفہوم بتا کر مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے تو اس وقت اس کی قلعی کھولنے کے واسطے زبردست علم و فضل والے علماء کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ آپ کو کہاں سے مل سکتے ہیں۔ چراغ لے کر ڈھونڈئیے تو سوائے ان دینی مدارس کے ماہران علم و تقویٰ کے اور کوئی متنفس اطمینان کا میسر نہ ہوگا۔ یہی ان کی باتوں کی حقیقت و انکشاف کر کے سامنے رکھتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے ہوش و حواس بالکل اسکے حوالہ نہیں کر دیئے ہیں وہ حقیقت آشنا ہو ہو جاتے ہیں۔ ایسے خطرناک بھنور سے آپ کی کشتی کو پار لگانے والے کہاں سے ملتے ہیں خود اس کو سوچ کر دیکھ لیں۔

مدارس کا بارھواں مقصد

انگریزوں نے مسلمانوں کو لامذہب بنانے کے لئے جو اسکولوں و کالجوں میں بیدینی کا ماحول اور بیدینی کا نصاب جاری کیا اس کے اثرات سے بچانے والے گھرانے کے لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمان ہوتے تھے ماں باپ چچا، تایا، ماموں، خالہ، پھوپھی، والد، دادی، نانا، نانی اور سب عزیز لیکن ان کے بچاؤ کا قصہ عارضی تھا کہ جب یہ عزیز بھی نصاب کے پروردہ ہو جائیں گے یہ قصہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اسلئے انگریزوں نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ چنانچہ آپ اس کا مشاہدہ اس طرح

کرسکتے ہیں کہ جو بوڑھے بوڑھے گریجویٹ آپ کو ملیں گے۔ اُن میں وہ لامذہبیت و بیدینی نہ ہوگی جو آج کل کی نئی پود میں رونما ہو رہی ۔ گو ان کو ابھی گھرانے سے کم از کم سابقہ رہنے سے اسلامی خوبو پوری نہیں تو معلومات کافی نہیں ہوئیں مگر وہ اس وقت کے تعلیم یافتہ طبقہ سے بسا غنیمت ثابت ہوتے ہیں۔

دوسری جماعت جو ان کی اسلامیت کو انگریزوں کی خرد برد سے بچاسکتی تھی وہ ان مدرسوں کے فیض یافتہ لوگ تھے جو مولوی تھے انگریزوں نے ہر اسکول و کالج میں منظم سازش اسکی جاری کی کہ نئی پود کو مولویوں سے نفرت دلا دے تاکہ نہ یہ اُن کی سُن سکیں نہ اسلامیت بحال کرسکیں تا مجھ سے زیادہ اس نفرت دلانے کا تجربہ آپ کو ہوگا۔ چنانچہ جن بچوں نوجوانوں پر یہ اثر کارگر ہوگیا۔ ان پر لامذہبیت کا رنگ خوب ہی چڑھ گیا۔ لیکن کوئی پوچھے کہ آخر مولوی ہے کیا چیز ایک ماں باپ کے دو بیٹے ایک نے علم دین حاصل کیا ایک گریجویٹ ہوگیا تو پہلا خطرناک کیوں قرار دیا گیا محض اس لئے کہ اس نے اللہ رسول کے احکام معلوم کر لئے تو خیال کیجئے یہ نفرت حقیقت میں خدا اور رسول سے نفرت دلانے کا پیش خیمہ بنی۔ اور آپ نے اس کو بسر و چشم قبول کرکے اپنے اسلام و اسلامیت کو خیرباد کہنے کا کام کرلیا اور یورپ والوں کی یہ چال سو فیصد کامیاب بن گئی اگر کبھی عقل و ہوش کی صحت کا دور دورہ ہو تو اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ یہ نفرت آخر کیوں دلائی گئی تھی۔ اس میں کیا راز تھا۔ اور وہ

بیدینی و لامذہبیت سے بچا بچا کر اسلام کی آغوش رحمت میں لے آنے والا کون تھا کیسے بنا تھا کہاں سے آتا ہے کیسے اس کے ذریعے اس گڑھے سے نکلا جا سکتا ہے۔ یہ سب آپ کے غور کرنے کی سوچنے اور سمجھنے اور عمل کرنے کی بات ہے کیا مدارسوں کے سوا اور بھی کوئی ذریعہ ہے۔

مدارس کا تیرھواں مقصد

ایک عام خیال زبان زد ہونے لگا ہے کہ فرقہ بندی مولویوں نے کی اور دنیا کو پریشان میں مبتلا کر دیا ہے۔

مگر صحیح شعور و خوض سے کام لیا جائے تو یہ حربہ بھی انگریزوں کا پیش کیا ہوا ہے۔ یہ نفرت دلانے اور اسلامیت کی حفاظت کے قلعہ کو گرولنے کے لئے ہے۔ سادہ دل لوگ اس فریب میں آ جاتے ہیں۔

سنئے ویسے تو اختلاف جھگڑوں کی چیز ہی نہیں۔ ہر آدمی کی صورت دوسرے سے مختلف آواز مختلف عادات مختلف طور طریق مختلف تحریر مختلف وضع قطع مختلف خیالات و نظریات مختلف پسند و ناپسند مختلف لباس مختلف نشست و برخاست مختلف زبان بھی بعض بعض کی مختلف مکان مختلف محلے شہر صوبے مختلف مگر کسی سے کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہاں جھگڑا ہوتا ہے تو دوسرے کو یا دوسرے کی بات کو برا کہنے اور گالیاں دینے سے روک تھام اسکی ضروری ہے خواہ قانون سے جبر و تشدد

سے شرافت کے حوالہ سے یا کسی ذریعہ سے بھی ہو جائے تو کوئی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ اصل بات جو جھگڑے فساد کی ہے اس کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے کہ جس طرح ہو سکے زبانوں کو لگام دلوائیں۔ اختلاف اختلاف کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود اختلاف کے بارہ میں لوگوں نے ایک غلط تصور قائم کر رکھا ہے کہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے مگر غور کیا جاوے تو دوسرے ہاتھ کا صرف وجود بھی کافی ہوتا ہے حرکت ضروری نہیں تو جرم حرکت والے کا ہوتا ہے نہ کہ وجود والے کا یہ دیکھنا چاہیئے کہ نئی بات اسلام پیدا کسنے کی ہے۔ مجرم وہ ہے نہ کہ صحیح بتانے والا۔ دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا انصاف نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ حق و باطل میں اختلاف ہوتا ہے تو دونوں کو غلط قرار دینا خود غلطی ہے دیکھنا یہ ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا پھر حق کو باطل سے امتیاز دینا ہر ایک کا فرض ہے حق کی مخالفت اور جھگڑے جو کرے گا وہ مجرم ہے۔ سب کو مل کر ناحق کو دبانا چاہیئے نہ یہ کہ دونوں کو مجرم بنا دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے اور حضور کے لائے ہوئے اسلام سے جو لوگ ہٹ ہٹ کر نئی باتیں بناتے ہوں۔ سب کا فرض ان کو روکنے کا ہے نہ کہ روکنے والوں کو بند کرنا غور تو کیجئے یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ فرقہ کبھی عالم دین نہیں بناتا بلکہ فرقہ تو ناقص العلم ناقص العمل تقویٰ سے بے بہرہ بناتا ہے جس کو علمائے دین کے خلاف محاذ قائم کرنے یا پیسے بٹورنے کی ضرورت ہوتی ہے آپ تحقیق کر کے دیکھ لیجئے نئے ہر فرقہ کی بنیاد کم علم کم مایہ، کم عزت سے ہوگی اور عالم دین صاحب تقویٰ تو صرف قدیم علم و عمل پر قائم رہنے کا داعی ہوگا۔ جیسے حضرت انبیاء علیہم السلام حق کے داعی رہے اور جو لوگ حق سے ہٹ گئے انہوں نے خلاف کیا ان کو ہدایت کی راہ بتائی تو کیا العیاذ باللہ انبیاء نے تفریق پیدا کی ہے۔ یا بھٹکانے والوں نے۔ انہوں نے جو حق سے ہٹا دیا تھا انبیاء تو اس پر لانے تھے۔ گو کافر لوگ۔ ان کو بھی یہی کہہ دیتے تھے۔ کہ آپ نے تفریق ڈال دی ہے اس لئے یہ آجکل کی بات بھی اس کے قریب قریب ہے کہ علمائے دین صاحب تقویٰ تو اصل دین سے ہٹ ہٹ جانیوالوں کو اصل دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو نفس و شیطان اور انسی شیاطین نے گھڑ کر پیش کر دی ہیں۔ علمائے دین کو تفریق کرنے والا کہنا ایسا ہی کافروں کا سا کام ہے جیسے وہ انبیاء کو تفریق کرنے والا کہتے تھے۔ جیسے انبیاء ہادی اور حق پر لانے والے تھے۔ غلط راستوں سے ہٹا کر حق پر لاتے تھے ایسے ہی یہ علمائے حق کرتے ہیں۔ جو ان مدرسوں سے حاصل ہو رہے ہیں۔ یہ تو فرقہ بند نہیں۔ فرقہ بندی کو توڑنے والے ہیں۔ لوگ الٹا الزام قائم کرنے لگے۔

مدارس کا چودھواں مقصد

ہر ملک میں آئے دن کوئی نہ کوئی تحریک سیاسی، غیر سیاسی اُٹھتی رہتی ہے۔ لوگ ہوا کے رُخ پر ہو لیتے ہیں مگر ایک ایسی جماعت کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ گو وہ کم کم ہی ہو جو ہوا کے رُخ سے الگ رہ کر صرف دین اور خدا و رسول کے احکام سے اس کو پرکھ کر بتائے کہ یہ طریقہ درست ہے یا نہیں یا اس میں کیا کیا بات درست ہے کیا غلط۔ اگر ایسی جماعت ملک میں نہ ہو تو سارا ملک ہوا کے رُخ پر چل پڑے۔ اسی طرح اس کے برخلاف بعض صاحب اثر لوگ عوام کو چھلنے اور دبانے کے لئے کوئی شکل اختیار کرتے ہیں اگر ایسی جماعت نہ ہو تو حق ناحق کی تمیز ختم ہو جائے۔ یہ جماعت علم و تقویٰ والی خدا رسیدہ آپ کو ان مدرسوں سے ہی دستیاب ہوگی۔ کوئی ملک کوئی معاشرہ بغیر اس کے صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس کے دین کو علمائے دین سنبھالیں اور اس کی دنیا کو زعمائے قوم۔

مدارس کا پندرھواں مقصد

نفس و شیطان اور خراب آدمیوں کے میل جول سے ملک میں بہت سی باتیں حرام خوری، حرام نوشی، حرام کاری حرام، پوشی حرام، گوشی بے حیائی گندگی، بے غیرتی، بے شرمی خلاف شرافت خلاف انسانیت جاری ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی ایسی جماعت نہ ہوگی جو ان خرافات کی حقیقت سے عوام

کو آگاہ کرتی رہے تو سارے ملک و قوم کی تباہی کے اسباب پیدا ہو جائیں گے گو بعض لوگ ایسے بے تعلق یا کم تعلق رہنے کی وجہ سے ان کی برائیوں سے واقف نہ ہوں یا عمل سے پرہیز نہ کریں مگر ایسی جماعت کا وجود سب کے نزدیک اللہ تعالےٰ کی ایک نعمت ہو گی یہ مدرسوں سے ملے گی گو بعض مخالفت ہی کریں مگر دل ان کا بھی مانتا ہے۔

بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے ؛ ہمیں داغ دل جانتا ہے کسی کا

مدارس کا سولھواں مقصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ایک کھیت کیار کا کام کیا کرتا تھا۔ دوسرا خدمت مبارک میں حاضر رہتا اور دینی علم حاصل کرتا تھا۔ اس بھائی نے حضور سے شکایت کی کہ یہ کوئی کام نہیں کرتا ہر وقت یہیں رہتا ہے تو اس پر حضور نے فرمایا تھا۔ لعلك بہ ترزق کہ شاید تم بھی اس کی وجہ سے رزق دیئے جاتے ہو۔ (جمع الفوائد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برادری میں ایک دو آدمی بھی دین کا علم حاصل کر لیں گے تو دوسروں کو بھی ان کی برکت سے رزق دیا جائیگا۔ لہذا ان مدرسوں میں جو طلبہ علوم دین حاصل کریں گے۔ ان کے خاندان اور برادری کے لوگ بھی ان کی وجہ سے رزق دیئے جائیں گے۔ ان کی تنگیاں دور ہوں گی۔ برکت حاصل ہو گی تو مدرسوں سے رزق کی افزونی ہوتی ہے پھر بھی معلوم ہوا کہ طلبہ علم دین کی خدمت رزق کی ترقی کا سبب ہے۔

مدارس کا سترھواں مقصد

جو نابالغ بچہ عبادات ادا کرتا ہے۔ اس کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملنا۔ حدیث شریف میں آتا ہے لہذا ماں باپ اپنے اپنے کام میں لگے رہیں گے اور بچہ کا مدرسے میں پڑھنا ان کے نامہ اعمال میں دس دس نیکیاں فی حرف جمع کرتا رہے گا اور اسی طرح جب وہ سیکھ کر اور عبادتیں کرے گا ان کو ثوابات ملتے رہا کریں گے تو پھر مدرسہ آپ کے لئے ثوابات کا کارخانہ ہے جو بے مشقت بے کام کئے بھی بہوت سے ثوابوں کا ذخیرہ جمع کر دے گا اور حافظ کے باپ کے لئے تاج ملنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔

مدارس کا اٹھارواں مقصد

جو بچے بالغ ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ان کے کاموں کا ثواب خود انہی کو ملے گا مگر ان کاموں پر لگانے والے ان کے ماں باپ عزیز اقربا ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے۔ الدال علی الخیر کفاعلہ کہ نیکی کی راہ پر لگانے والا بھی مثل کام کرنے والے کے ہے۔ ان کو بھی ان کی تلاوت نماز روزہ حج زکوۃ تعلیم و تدریس وعظ و اصلاح اور تمام نیکیوں کے برابر ثواب ملا کریں گے تو یہ مدرسے ثواب کے کھیت بن گئے جن سے خود بخود ثوابات ملا کریں گے۔ اور جب تک ان کے شاگرد در شاگرد کا سلسلہ

رہے گا۔ ثواب ملا کرے گا۔

مدارس کا انیسواں مقصد

آیت فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ سے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے ہر خاندان و برادری کا فرض معلوم ہوا کہ وہ اپنے یہاں سے ایک جماعت علم دین سیکھنے کے لئے بھیجے۔ آپ یہ فرض کس طرح ادا کر سکتے ہیں ان مدرسوں نے اس کو اتنا سہل بنا دیا کہ قریب سے قریب مدرسہ میں بچوں کو دین سیکھنے اور سکھانے کے لائق بنا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکیں گے ورنہ دور دراز بھیجنے سے فرض ادا ہونا تو کُجا گناہ سے بچنا

مدارس کا بیسواں مقصد

ہر شخص جانتا ہے کہ بری صحبت زہر قاتل ہے اور نیک صحبت انتہا درجہ مفید جس سے دین و دنیا کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان مدرسوں کی وجہ سے آپ کو نیک صحبت آپ کے بچوں، عزیزوں، خاندان اور برادری کو نیک صحبت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے آپ دین و دنیا کے منافع حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن شہروں میں ان کی کثرت ہے تو وہاں کے لوگوں کی دینی حالت دوسرے شہروں سے بہتر ہے۔ اور اگر اس کا انتظام کر لیا جائے کہ کم سے کم چھٹیوں کے دنوں میں اپنے بچوں کا قیام وہاں کرا دیا جائے تو مفت میں ان پر اصلاحی رنگ چڑھ جائے

مدارس کا اکیسواں مقصد

قرآن شریف میں وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔ (تم میں ایک جماعت ضرور ہو جو نیک دعوت دے بھلائیوں کا حکم کیا کرے۔ برائیوں سے روکا کرے) اگر ایسی کوئی جماعت نہ ہوگی تو سب لوگ گناہگار ہوں گے۔ مدرسوں نے درس تدریس تقریری و تحریری تبلیغ کا کام کر کے آپ سب کو اس فرض کے ترک کے گناہ سے بچا لیا ہے یہ نہ ہوتے تو سب گناہگار بنتے۔

مدارس کا بائیسواں مقصد

کئی آیات و احادیث میں آیا ہے کہ اگر گناہ گاروں کو گناہ سے نہ روکا تو عذاب عام آ جائے گا۔ یہ مدرسے قائم ہوں گے تو کچھ نہ کچھ گناہوں سے روکنے کا کام بھی انجام پائے گا۔ اور سارے مسلمانوں سے عذاب عام ٹل جائے گا۔

مدارس کا تیئیسواں مقصد

حدیث و قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کو اپنے دس عزیزوں کی شفاعت کی اجازت ہوگی اور ایسے ہی اور اہل علم اور تقوی و جہاد والے بزرگوں کو اجازتیں ملیں گی۔ تو ان مدرسوں میں اپنی اولادوں کو

داخل کرنے سے خاندان کے بہت لوگوں کی نجات ہوگی۔

مدارس کا چوبیسواں [۲۴] مقصد

حدیث و قرآن سے علمائے دین اور نیک لوگوں پر رحمت و برکت کا نزول معلوم ہوا اور ان کے عبادتوں، دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہوا تو جس شہر میں یہ موجود ہوں گے۔ سب کے لئے رحمت و برکت نازل ہوگی۔ مدرسوں کے طفیل سب رحمتوں میں ڈھانپ دیئے جائیں گے۔

مدارس کا پچیسواں [۲۵] مقصد

ہر آدمی کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اس کی فرمانبردار ہو خدمت گذار ہو۔ بڑھاپے میں اس کی زندگی کا سہارا بنے مگر یہ جب ہوسکتا ہے کہ اولاد کو ماں باپ کے حقوق اور عزت و عظمت معلوم ہوں۔ دل میں بسے ہوں عمل میں آتے ہوں جو اولاد خود اللہ رسول کے حق ادا نہیں کرتی وہ ماں باپ کو کیا سمجھ سکتی ہے۔ ان مدرسوں کی تعلیم و تربیت سے حق شناسی و خدمت کا جذبہ حاصل ہو کر اولاد آپکی زندگی کا سہارا بنے گی۔

ادھر یہ بھی ہر ایک کی ضرورت ہے کہ زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اس کو ایصال ثواب سے فائدہ پہنچایا کرے یہ بات بھی ان مدرسوں کے تعلیم دلانے سے میسر آسکتی ہے۔ دوسری تعلیمات میں آپ خود دیکھ رہے کہ انکا زندگی میں کیا معاملہ ہوتا ہے اور بعد کا تو وہاں سوال ہی

مشکل ہو جاتا ہے۔

مدارس کا چھبیسواں مقصد

علماء کی دو قسمیں ہیں۔ علمائے خیر اور علمائے سوء اول کامل علم و عمل نیک صورت نیک سیرت ظاہر و باطن یکساں عقائد پسندیدہ اور دوسرے علم اور دینداری میں ناقص، عقیدوں میں حق سے ہٹے ہوئے یا عمل ظاہری و باطنی میں ناقص و کمزور جن کی بدعقیدگی اور بدعملی سے ساری مخلوق گمراہی اور بیہودہ زندگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہ آج طرح طرح کے فرقے طرح طرح کی بدافعالیاں بدعقیدگیاں بداخلاقیاں انہی سے نشوونما پائی ہیں ان سے زیادہ خطرناک، کوئی انسان دوسرے انسان کے لئے نہ ہوگا۔ نااہل غلط علم و عمل والے مگر بڑھ چڑھ کر دعویدار کہ آخر اسلام اور مسلمانوں کو تباہی پر لا کھڑا کیا۔

ان مدرسوں کے وجود نے ان کے تار پود بکھیر دیئے دکھلا دیا کہ علم صحیح و عمل صحیح یہ ہے ان کی جعلسازیوں کی قلعی کھول دی ہر بات میں صحیح و غلط الگ الگ کر دکھایا ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ ان جعلی و نقلی عالموں کو عالم دین سمجھ کر اُن کے پیچھے ہو کر اپنے ایمان پر ان سے ڈاکہ ڈلواتے ہیں اور چودہ سو سالہ اسلام کے علمبرداروں سنت کے تابع علماء کو بُرا کہہ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ کھلی بات ہے کہ دین تو وہی ہے جو حضور لائے اور صحابہؓ و تابعینؒ سے علم و عمل کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے

جس قدر اس سے دوری ہوگی اسی قدر غلطی اور گمراہی ہوگی سب لوگوں کو اصلی و نقلی حقیقی دینداروں کی شناخت کرنی ضروری ہے یہ مدرسے اسکی شناخت کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہیں۔

مدارس کا ستائیسواں مقصد

بعض لوگ یہ سمجھ کر یا "خوے بد را بہانہ بسیار" یہ کہہ دیتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنا ناممکن ہے کیسے ہو سکتا ہے۔ اور کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ جب لکھنا نہ آتا تھا۔ نام تک لکھنا ناممکن معلوم ہوتا تھا جب لکھنے لگے تو ہزاروں صفحے بھی سہولت سے لکھے جانے لگے جب تک بچے کو بولنا اور چلنا نہ آتا تھا ایک بات اور ایک قدم بھی محال نظر آتا تھا۔ پھر جب اٹک اٹک کر تتلا تتلا کر بولنا گر پڑ کر چلنا آیا تو دن رات بولنے میں زبان نہ تھکی میلوں چلنا بار نہ ہوا اسی طرح یہ اس وقت تک دشوار معلوم ہوتا ہے جب تک پختہ ارادہ شریعت کے مطابق چلنے کا نہیں کیا پھر گر پڑ کر ایسا چلنا آجائے گا کہ بے چلے چین نہ پڑے گا ان مدرسوں کے پڑھے ہوئے لوگ ایک نمونہ کی شکل میں سامنے آتے ہیں کہ آخر وہ بھی اسی دنیا میں اسی آسمان کے نیچے اسی زمین کے اوپر رہتے ہیں اور ناقصوں کو چھوڑ کر دیکھئے کہ تمام عمر ہر وقت کس قدر شریعت کے مطابق رہتے ہیں تو ہم آپ کیوں نہیں رہ سکتے۔

آج کل علماء یہ دیہات سے نفرت کا بوجہ گندہ انگریزی راز کی وجہ سے

بہت ہو رہا ہے تو یہ خیال فوراً دماغ میں آجائے گا کہ ہم تو بہت سے علماء کو خلاف شرع کرتے دیکھ رہے ہیں۔ تو بات یہ بھی ایک طرح واقعی سی ہے مگر مدار اکثریت و کمال پر ہوتا ہے آپ کو اس پروپیگنڈہ سے عیوب نظر آگئے بھلائیاں نظر نہیں آئیں۔ ساری زندگی کا جائزہ لے کر دیکھئے۔ دوسروں کی زندگی سے مقابلہ کر کے دیکھئے گو یہ بات بھی ہوگی کہ سفید کپڑے کا داغ جلد نظر آتا ہے میلے اور سیاہ کا جلد نظر نہیں آتا۔ اس وجہ سے علماء کی ہر لغزش نظروں میں کھٹک جاتی ہے اور دوسروں کی نظر میں نہیں آتی لیکن اکثر حالات کا مقابلہ جب آپ دوسروں کے اکثر حالات سے کر کے دیکھیں گے۔ تو زمین آسمان کا فرق پائیں گے مگر پروپیگنڈہ سے یکسو ہو کر دیکھئے اور انسان آخر انسان ہے لغزش بھی کرتا ہے مگر کم کم اور زیادہ زیادہ سے فرق معلوم ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی چودھویں صدی کے اثرات ہیں۔ بہت سے اسلاف میں جو بزرگ گذرے ہیں بالکل تابع سنت اور اب بھی اس گئے گذرے زمانہ میں کچھ نہ کچھ بالکل تابع سنت و شریعت مل سکتے ہیں اور وہ انہی مدرسوں کے طفیل ملتے ہیں۔ بات اچھی قبول کرنی چاہیئے بہانے نہ تلاش کرنے چاہئیں۔ مدرسوں سے زندگی کی جو کایا پلٹ ہوئی ہے۔ اس پر ذہن خالی کر کے غور کرنا مناسب ہے پھر اس کو مشعل راہ بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ طریقہ نہایت خطرناک ہے کہ عالم ہو یا عاصی اس کی ایک غلطی یا لغزش کو اُچھالیے زمین اور نیکیوں اور بھلائیوں پر خاک ڈالے زمین اور دینداروں کیلئے یہ کرنا فود دین سے نفرت دلانا ہے یہاں تنہائی میں نرمی سے سمجھا مفید ہے

مدارس کا اٹھائیسواں مقصد

زندگی میں انسان جس بات کو ڈھونڈتا پھرتا ہے اور وہ ساری عمر بھی اس کو نہیں ملتی وہ دل کا سکون دنیا میں بیفکری پریشانیوں سے بچاؤ اور دل و دماغ کی راحت ہے۔ دولت ثروت جائیداد کارخانے عہدے حکومت کوٹھیاں بنگلے کار، جہاز خود مطلوب نہیں۔ ان کے ذریعہ راحت و سکون سمجھ کر انسان ان کا طالب بنتا ہے لیکن اگر ان سب کے باوجود سکون دل اور راحت ذہن و دماغ حاصل نہ ہو پائے تو یہ خود وبال جان معلوم ہونے لگتے ہیں اور کسی قیمت پر سکون و بیفکری میسر نہیں آتی ہر اسی کشمکش میں ساری عمر تمام ہو جاتی ہے اور پھر اگلے جہاں کا سفر اور وہاں کی پریشانیاں سامنے آتی ہیں۔

آئیے ہم آپ کو ایک ایسی دنیا میں لے چلیں جہاں غم فکر پریشانی پر بھی نہیں مارتی۔ سکون و راحت کے ڈیرے جمے ہوئے ہیں ہر شخص ہے مست بشاش خوش مگن۔

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رندان شو

کہ بینی خندہ بر لب ہا و آتش پارہ در دلہا

یہ بستی دو نمبروں کی ہے نمبر اول تو صحیح و حقیقی بزرگ پیروں کی خانقاہ ہوتی ہے۔ جس کا وجود آجکل پوری طرح کا شاذ و نادر ملتا ہے۔ اور نمبر دوم پر یہ مدارس اسلامیہ ہیں جہاں سکون و بیفکری کا دور دورہ ہے۔

کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں صرف ایک ہی مقصد ہے کہ خدا و رسول کے طریقہ کو خوب حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوں نہ کوئی فکر نہ غم نہ تشویش نہ پریشانی نہ کھانے کی پرواہ نہ لباس کی پرواہ۔ نہ مکان کی پرواہ نہ سواری حشم حذم جاہ و جلال کی پرواہ جو حال ہے اسی میں خوش اور اپنی دھن میں مجو۔ اس رنگ میں جو خود کو رنگ لے بیفکری کی زندگی پائے۔

۲۹ مدارس کا انتیسواں مقصد

کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں روپیہ کمانے والے بھی پریشان رہتے ہیں اور کسی طرح اُن کی آمدنی ان کے لئے کافی نہیں ہوتی تو اس کی اصل وجہ کیا ہے۔ اصل وجہ ایک تو باطنی وجہ ہے کہ دل خدائی تعلق سے ہائے یا کچھ خالی ہوتا ہے۔ اور اطمینان قلب کا ذریعہ اس تعلق کا ہی قوی ہونا ہوتا ہے پھر کوئی فکر، غم، پریشانی انسان کو نہیں ستا سکتی۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

گو غالب کہتا ہے کہ:۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مگر اس کا جواب یہ ہے:۔

مومن دیندار کو رنج و الم سے واسطہ
جس کی نظر خدا پہ ہو فکر اسے ستائے کیوں

ایک وجہ ظاہری بھی ہے کہ ہم نے اپنے کو بہت سی چیزوں اور باتوں کا عادی بنا لیا ہے جو ضروری نہ تھیں مگر عادت کے بعد ضروری معلوم ہونے لگیں اور ان سے خرچ بہت بڑھ گیا یا صرف لطف مزہ رنگینی عیش کی تھیں ان کو اختیار کر کے عادت بنا لیا یا جرم و گناہ کی تھیں ان کو معمول بنا لیا۔ اس لئے خرچ پر خرچ کھڑا ہو گیا اور آمدنی کے بڑھنے سے پہلے ان کا داعیہ سامنے آ جاتا ہے پھر اس طرح کتنی بھی آمدنی کیوں نہ ہو جائے۔ پریشانی ہی رہتی ہے۔ خرچ پورا ادا نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس سے گھبرا کر خودکشی تک کر گذرتے ہیں یہ ایک ایسا مرض لگا ہے کہ ساری قوم کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے اور قوم پنپنے میں نہیں آتی۔

مگر اس کا علاج اسلامی احکام اور طور طریق پر عمل ہے اس سے تو سب ناجائز خرچ ختم ہو جائیں گے اور جائز کے لئے یہ غور کرنا ہے کہ یہ خرچ ضرورت کے لئے کیا جاتا ہے۔ عیش و رنگینی فضولیات ہے ان کو ترک کر کے سادگی اختیار کرنا سیدھا راستہ ہے۔ اور ہر خرچ سے پہلے دو باتوں کو سوچ سمجھ لیا جائے کہ یہ ضرورت کم ہے کہ کس طرح پوری کی جا سکتی ہے اور جو جو اس کے طریقے ہوں ان میں سے سب سے ہلکا کیا کیا طریقہ ہو سکتا ہے بس وہ اختیار کیا جائے چند روز میں خرچ بالکل قابو میں آ جائے گا۔ بلکہ آمدنی سے کم بھی ہو سکے گا۔ عاقبت درست کرنے کے لئے بھی رقم بچ سکے گی اسراف کا گناہ نہ ہوگا۔

دینی مدرسوں میں ناجائز صورتوں کی بندش ہوتی ہے اور جائز میں علاوہ

بچنے سے احتیاط کرائی جاتی ہے نہ عمدہ کھانے فکر رہتی ہے نہ عمدہ لباس نہ بستر تکیہ مثلاً چارپائی نہ نوکر چاکر نہ عیش و طرب سب سے بے تعلق سادہ زندگی تو خرچ بالکل قابو میں رہتا ہے اگر یہ آرام و راحت بعد میں ملا تو شکر ادا کیا نہ ملا تو تکلیف نہیں ہوتی کم سے کم میں بھی گزر اور زیادہ میں شکر کے گذرے اسی لئے آپ نے مدرسوں سے نکلے ہوئے کسی شخص کو آج تک خودکشی کرتے نہ سنا ہوگا مدارس سے عمر بھر کی راحت رہتی ہے۔

اس طرح منجھ کر زندگی گذارنے کے بعد خدا تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی پر عمر بھر کے لئے بےفکری و بے غمی کی زندگی میسر آجاتی ہے۔ جو لوگ ان سے میل جول رکھتے ہیں وہ ان سے یہ سبق لے کر اپنی زندگیاں بیفکری کی بنا لیتے ہیں۔ جو دنیا میں دوسرے کسی کو میسر نہیں آتی مدرسوں سے یہ فائدہ عام ہوجاتا ہے۔ دنیا بھی سنورتی ہے آخرت بھی۔

مدارس کا تیسوال مقصد

انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جس بدی کو بار بار سنتا یا دیکھتا رہتا ہے۔ دل سے اس کی برائی کم ہوجاتی ہے اور اگر کبھی کرلیتا ہے تو اور کم ہوجاتی ہے کوشش کرکے ان کو سب سے دور دور رکھا جاتا کوئی اثر ہوتا ہے تو اس کی تلافی کرائی جاتی ہے اب بشریت کے تقاضا سے ہونیوالی باتیں کمزور ہوجاتی ہیں کوئی ناول افسانہ کھیل تماشا بھی تو کو برانگیختہ کرنے والی چیز قریب بھی نہیں آتی۔ اب ان سے ملنے والوں

پھر بھی یہ اثر عام ہوتا ہے۔

مدارس میں ذرائع تبلیغ کم کیوں ہیں

پہلے سے بزرگوں کا معمول مدارس میں یہی ہے کہ یہ چیزیں تعلیم مدارس کا جز بنا کر نہیں سکھائی جاتیں بلکہ آخر میں تبعاً کچھ کچھ سکھاتے ہیں یا بغیر سکھلائے ہی آجاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ آئندہ سطور میں انشاءاللہ عرض ہوگا کہ یہ تفقہ فی الدین یعنی مہارت علوم دینیہ اس قدر مشکل اور محنت و یکسوئی کا کام ہے کہ اس کے درمیان کسی اور طرف توجہ کا ہونا سخت مضر ہے اور اس کی وجہ سے اصل تفقہ ناقص رہ جاتا ہے۔ بلکہ حاصل نہیں ہوتا یعنی علوم ہی ناقص رہ کر مہارت و تفقہ میسر نہیں ہوتا اور تبلیغ و انذار کے لئے کامل تفقہ کی ضرورت ہے اور نہ بغیر مہارت و تدین کامل کے مبلغ گمراہی پھیلانے والا ہوتا ہے گو عوام کو اس کا احساس بھی نہ ہو بلکہ بغیر مہارت تامہ کے یہ کام جائز بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کا سننا جائز ہوتا ہے۔ یعنی عام مسائل و احکام و دلائل سے تبلیغ کا ایسے ناقص سے سننا درست نہیں۔ گو ایک دو مسئلہ جو اس کو خوب تحقیقی طور سے معلوم ہو اس کی تبلیغ تو تواصی بالحق و تواصی بالصبر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہو کر ضروری ہے۔ یعنی اول قسم کے علوم جو فرض عین ہیں اور ہر مسلمان مرد اور عورت بچے بڑے کو ان کا سیکھنا بالکل فرض ہے۔ ان کو سیکھنے اور کو لینے کے بعد دوسروں کو بتایا۔ تو

سب کو درست ہے مگر دلائل رفع مشتبہات اور مسائل وغیرہ کی تقریر یا تحریر غیر معتبر علم والے کو کرنی جائز نہ سننے والے کو سننی جائز۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے غیر ماہرین ناقص العلم ہمارے ملک میں مقرر و واعظ مبلغ و مناظر بنے پھرتے ہیں اور وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں ان کے پاس اشکالات کا حل علمی نہیں ہوتا خود گھڑتے ہیں لغوتشریح کرتے ہیں اور پھر دنیا کو اس دھوکہ میں مبتلا کرتے ہیں خالی ذہن عوام نافہمی کے چکر میں آ کر گمراہ ہو جاتے ہیں تمام باطل فرقے اور مدعیان علم اسی قسم سے متعلق ہیں ؎

ظالم آں قومے کہ چشمان دوختند ٭ وز سخنہا عالمے را سوختند

اس لئے اول تفقہ کامل کی ضرورت ہے۔ پھر اس کے پختہ ہو جانے کے بعد یہ کام سکھانا مفید ہو سکتا ہے۔ ورنہ چونکہ اس میں عوام کی واہ واہ بھی ملتی ہے اور دینداری پختہ ہو نہیں پاتی۔ آدمی غرور و کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عجب و کبر میں ترقی علم سے رہ جاتا ہے اور بعض وقت ملازمت یا اور آمدنی کے ذرائع ہو جاتے ہیں تو علم سے رہ گیا۔ اس نقصان کے خطرہ سے تعلیم میں یہ کام مضر ہے۔ اس کا تعلق تجربہ سے بھی ہے جن کو تجربہ نہیں ان کی کوئی بات اس معاملہ میں وزن دار نہیں ہو سکتی۔ ہاں بعد تکمیل کے اس کام کا مضائقہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے لئے الگ کوئی نیا ادارہ بنایا جائے یا الگ شعبہ۔ دیکھئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی اول تکمیل فرمائی جاتی ہے۔ پھر نبوت عطا فرمائی جاتی ہے بغیر وحی کے

کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ پھر حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم نے بھی جن کی تکمیل ہو گئی ان کو اس کام پر لگایا ہے جن کی تکمیل نہیں ہوتی، اس وقت تک نہیں لگایا دوسرے تفقہ کامل کے بعد ان چیزوں کو زیادہ سکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے یہ سب تجربات ہیں اور اہل مدارک کو ان کا تجربہ حاصل ہے بلکہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (اور تاکہ اپنی قوم کو احکام پہنچائیں جب ان کی طرف لوٹ کر جائیں) احکام کا پہنچانا تفقہ فی الدین کے بعد لوٹ کر قوم کے پاس جانے کے وقت فرمایا ہے جس سے اشارۃً یہ نکلتا ہے کہ اثنائے تفقہ میں یہ کام نہ کریں اور تفقہ فی الدین کے بعد لوٹنے ہی میں یہ کام کریں۔ معلوم ہوا کہ صرف تفقہ فی الدین سے ہی یہ کام آجائے گا اور رجوع کے وقت ہی سے خود بخود یہ کام شروع کر سکیں گے۔ یعنی یہ چیزیں سیکھنے سکھانے کی نہیں ہیں۔ مشق ہی خود بخود آجاتی ہیں بشرطیکہ قابلیت بہت اچھی ہو جائے۔ بار بار کرنے سے خود مشق ہو جائے گی۔ اس لئے زور صرف عمدہ قابلیت پر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل چیز تفقہ فی الدین اور علوم دین کی مہارت ہے۔ مدارس دینیہ نے اسی کو اصل مقصود قرار دیا ہے۔ استعداد و قابلیت عمدہ و پختہ ہو جانے کے بعد اگر یہ کام ہوں گے تو عمدہ اور بہت عمدہ معتبر و بھروسہ کے ہوں گے۔ اس کے بغیر ہوں گے خراب، ناقص، غیر معتبر اور گمراہ کن بن جائیں گے۔ تحریر، تقریر، افتا، تجوید سب مشق کے کام ہیں کم استعداد والا

مشق زیادہ کرکے عمدہ کر لیتا ہے مگر غلطیوں کا خطرہ رہتا ہے۔ زیادہ قابلیت والا مشق نہ کرے گا تو نہ کر سکے گا اور اگر زیادہ قابلیت والا مشق بھی کر لیتا ہے تو سونے پر سہاگہ، نور علیٰ نور ہو جاتا ہے اس لئے اصل نظر علمی استعداد پر ضروری ہے تاکہ گمراہی کا سبب نہ بن سکے۔ لیکن زمانہ کی حالت سے بعض ایسی کیفیتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ اب وہ مہارت کا طرہ ناقص رہ جاتی ہے اور خود بخود یہ علوم ابتداءً بغیر مشق کرائے نہیں آتے اسلئے مدارس مرکزیہ نے کچھ کچھ توجہ اس طرف بھی مبذول کر دی ہے۔ کہ بالکل آخر میں جبکہ ان کی استعداد جس قدر بھی وہ پیدا کر سکتے ہیں ہو جائے تب ان چیزوں کی ذرا سی مشق کرا دی جائے۔ اور باقی مشق بعد ہی بڑھائیں۔

اس کے بعد اس کو عملی صورت دینے کے لئے مستقل شعبہ نہیں رکھا گیا ہے کہ تقسیم عمل کے قاعدہ سے ان کے یہاں علمی شعبہ ہے۔ عملی نہیں ہے۔ عملی شعبہ یا ادارہ دوسرے لوگ الگ قائم کریں۔ تاکہ اہتمام سے الگ کام ہو کر عمدہ کام بن جائے۔ ورنہ تابع ہو کر جو کام ہو گا وہ ایسا نہیں ہو گا جیسا کہ مستقل ہوتا ہے۔ لیکن اب کہ انحطاط بڑھ رہا ہے تفقہ کامل کے اسباب کم ہو رہے ہیں ضرورت ہے کہ مدارس مرکزیہ میں ایسے دونوں شعبے مستقل قائم کئے جائیں اور قوم کو ضرورت ہے کہ وہ بھی اس طرف توجہ کرے اور فراغت علوم کے بعد تکمیل کا درجہ قائم ہو پھر اس کا عملی شعبہ یعنی تقریری و تحریری تبلیغ تالیف تصنیف

مدرسوں کے ماتحت یا کچھ قریب الگ قائم ہو۔

باطنی تربیت

اسی طرح ان حضرات کی باطنی تربیت کا بھی اس قدر اہتمام تو موجود ہے کہ اعمال اخلاق پر دارو گیر ہوتی ہے اور یہ درجہ بھی تفقہ فی الدین کے لئے ضروری ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عمل بما علم اورثہ اللہ علم ما لم یعلم (جو شخص عمل کرلے گا اس پر جو اس نے سیکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرمائیں گے جن کو وہ نہیں جانتا) اس سے لوازمی میں ترقی ہوتی ہے مدارس دینیہ میں تو اس کا اہتمام بھی ہے کہ تربیت باطنی عوام مسلمین کی بھی ہوتی ہے جو قسم اول کا شعبہ دوم ہے اور اہل علم کی بھی لیکن اس وقت فساد زمانہ کی وجہ سے اس کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت اور اہتمام بلیغ کی حاجت ہے بلکہ اس کے شعبے جہاں مستقل ہیں وہاں سے طلبہ کو متعلق کیا جائے تو مزید فوائد کی توقع ہے کیونکہ بہت معمولی توجہ سے کافی نتائج بر آمد نہیں ہوتے کہ زمانہ کی فضا بہت مسموم ہو گئی ہے۔ بہرحال مدارس میں یہ مقصد گو مستقل ہو کر مقصد نہیں تابع اور کم توجہ کے ساتھ ہے تنہا بھی مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے جس کا مشاہدہ سب حضرات کو ہے کہ یہ فوائد عامۃ المسلمین کو بھی بہت حاصل ہو رہے ہیں اور انہی سے

وہ صلاحیت و تقوی حاصل ہوا ہے جو آج بعض مسلمانوں میں نظر آتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مصیبت عظمیٰ کا سامنا ہوتا۔

خدا آباد رکھے مدرسوں کو پھر غنیمت ہیں۔
نظر کوئی نہ کوئی نیک صورت آہی جاتی ہے

اس تمام تقریر اور مدارس کے اقسام و مقاصد و فوائد اور کام سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس وقت اسلام کی حفاظت مسلمانوں کی دینی حفاظت دین سے لگاؤ اور ہمارا ملک میں دینیات کا وجود ان مدارس دینیہ ہی کے طفیل سے ہے اگر بزرگان دین یہ مدارس قائم نہ کرتے تو آج پاکستان ہندوستان میں مسلمان اور اسلام کا پتہ چلنا بھی مشکل ہو جاتا اور دین کی صحیح راہ اور صحیح بات بتانے والا ہی نہ ملتا۔

حضرت حکیم الامۃ کا ارشاد

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے حقوق العلم کتاب میں علم و علماء پر بڑی نفیس بحثیں کی ہیں۔ علماء دین پر جو اعتراض یورپ زدہ لوگ کرتے ہیں ان کی حقیقت بیان فرما دی ہے اور بعض اہل علم میں جن باتوں کی کمی رہ جاتی ہے یا کوتاہی ہو جاتی ہے اس پر نہایت مدلل و مبسوط تنبیہ فرمائی ہے نفود بیہودہ اعتراضات کی قلعی کھولی ہے اور واقعی قابل اصلاح امور کی طرف توجہ دلائی ہے اصل اصلاح وہ تھی اگر کسی کو حکومت یا قوم کی باگ ڈور

بنتی ہے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے نہ کہ ایسی چیزوں کی طرف جو بجائے اصلاح کے افساد کی ہیں حضرت اقدس قدس سرہ نے مدارس دینیہ کے باب میں جو الفاظ تحریر فرماتے ہیں درج کرتا ہوں۔

ص۵۲ "تیسری فصل مدارس کی بعض اصلاحات میں اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں ان کو بے کار بتلانے والا معلوم ہوتا ہے ابھی تک اسلامی ضروریات سے اور مدارس کے اثر سے محض بے خبر ہے مختصر بیان اس کا یہ ہے کہ اسلام نام ہے خاص دینی عقائد اور خاص اعمال کا جس میں دیانات و معاملات و معاشرات و اخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم دین پر اور علوم دینیہ کا بقا ہر چند کہ فی نفسہ موقوف نہیں مدارس پر مگر باعتبار عوارض وقتیہ عادۃً ضرور موقوف ہے مدارس پر جس شخص کو تجربہ ہوگا وہ اس حکم میں ذرا توقف نہیں کر سکتا اور جس کو توقف ہو وہ تجربہ کر سکتا ہے اس لئے اس میں طویل کلام کی حاجت نہیں سمجھی گئی غرض بالیقین یہ مدارس خدا کی بہت بڑی رحمت اور بہت بڑی نعمت ہیں" الخ۔

اور اس کے بعد وہ اصلاحی امور بیان ہیں جو ایک نبض شناس ملت حکیم امت کی تشخیص ہیں لہذا قابل توجہ وہ اصلاحیں ہیں جنکو

ایک ماہر دین تیار رہا ہے یورپ کے مسحور دماغوں سے ان کو واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

نصاب

معروض بالا میں غالباً یہ ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ بقاء اسلام اور مسلمانوں کی اسلامیت کا وجود بظاہر اسباب انہی مدارس کی وجہ سے ہے، اور ان مدارس کے جو مقاصد ہیں وہ سب قریب قریب پورے ہو رہے ہیں اور سارے عالم کے دینداروں کو ان کے منافع کا احساس ہے خصوصاً ان دینداروں کو جن کو سیاحت ممالک یا تاریخ ممالک سے واسطہ پڑا ہے اب نصاب مدارس کی گی کے لئے تو اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جس نصاب پر ہندوستان کے مدارس صدیوں سے کام کر رہے ہیں وہ تجربہ میں آچکا ہے اور اسکے فوائد سے پاکستان و ہندوستان علم و عمل تقویٰ و طہارت میں ممتاز درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں اگر یہی نصاب رہے گا تو یہ علم و عمل یہ تقویٰ و طہارت باقی رہے گا ورنہ جو حال دوسرے ممالک کا ہوا ہے وہی یہاں بھی ہو گا۔

ایک ایسی چیز کو جو آج تک مفید ہی مفید اور بے حد و حساب مفید ثابت ہو رہی۔ تبدیل و ترمیم کی نذر کرنا کبھی عقل کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ضرورت تبدیلی کی اس وقت ہوتی کہ اس سے اغراض و مقصد حاصل نہ ہوا کرتے یا کامل کی جگہ ناقص حاصل ہوتے مگر جب

ساری دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اس نصاب سے مدارس کے اغراض و مقاصد نہایت عمدہ طریقے سے حاصل ہیں اور ایسے عمدہ طریقہ سے کہ کہیں کسی اسلامی ملک یا غیر اسلامی میں ایسے نتائج و فوائد وہاں کے دوسرے نصابات سے نہیں پیدا ہو رہے ہیں تو اس میں تغیر و تبدیل بے ضرورت عبث اور لغو ہوگی بلکہ کسی راز بنا پر ان فوائد سے محرومی کرانا سمجھا جاسکیگا۔

اور چونکہ اس تغیر و تبدیل شاہ کا کوئی تجربہ نہیں ہوگا تو دونوں احتمال رہیں گے۔ ممکن ہے اغراض و مقاصد میں نقص پیدا کر دے ممکن ہے کمال پیدا کرے تو اول تو یقینی کو ایک مشکوک کے لئے ترک کرنا عقل کے خلاف دوسرے ماہرین اور تجربہ کاروں کی نظر میں ان ترمیمات سے نقائص کا یقین حاصل ہے بلکہ اغراض و مقاصد سامنے رکھ کر جو بھی غور کرلیگا۔ اس کو نقائص معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مجمل گفتگو میں بھی یہ کرنے مدارس کو خراب کرنے کی ہے اصلاح کی نہیں اور تفصیل انکی نصاب کے اجزا پر گفتگو سے سامنے آجائے گی۔

۱۳۴۵ھ میں شام کے شہر حلب سے ایک بزرگ مولانا شیخ عبد القادر مدیر المدارس العلمیہ بحلب نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا دیوبند اور سہارنپور بھی تشریف لائے تھے سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم کے دار الحدیث میں تقریر کی تھی فرمایا کہ میں حلب کے تمام علمی مدارس کا ناظم ہوں ہندوستان اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے علماء کی جو استعداد

اور عملی حالت ہوتی ہے وہ ہمارے یہاں نہیں ہوتی۔ میں یہ دیکھنے کے لئے آیا ہوں کہ یہاں کیا طرز تعلیم ہے اور کیا طرز تربیت، تاکہ میں بھی اپنے یہاں یہی طرز تعلیم و تربیت رائج کروں اور وہاں بھی ایسے علماء پیدا ہوں پھر اثنائے تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ اگر میں اپنے یہاں واپس جاکر قسم کھاکر یہ بیان کروں کہ میں نے ہندوستان میں فرشتوں کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھا ہے تو میں اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہوں گا۔

مولانا عبد القادر صاحب نہایت نورانی شکل کے نہایت متقی بزرگ تھے ان کی صورت سے مبالغہ کی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن مبالغہ پر بھی محمول کر لیا جائے تو معلوم ہوا کہ اس نصاب و نظام سے وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس پر ممالک اسلامیہ کے دیندار وں کو رشک ہوتا ہے اور مبالغہ ہی وہ ان کو فرشتہ سے تعبیر کر سکتے ہیں

اس نصاب کے تجربہ اور مفید ہونے کی دلیلیں گذشتہ صدیوں کے وہ تمام بزرگ ہیں جنہوں نے اس نصاب سے تکمیل حاصل کی کیونکہ مدارس کی شکل سے پہلے سے بھی یہی نصاب تھا اس لئے اس سے پہلے کے بزرگوں کی ذات بھی اسی کی عمدگی کی دلیل ہے اور مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کا دائرہ تو اصل دلیل ہے۔

حضرات شاہ عبد الحق دہلوی اور شاہ صاحبان کا کل خاندان اور فرنگی محل میں مولانا عبد الحی صاحب وغیرہ اس نواح میں حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی وغیرہ اور اسی زمانہ کے قریب کے حضرت سہارنپوری حضرت دیوبندی

حضرت رائیپوری، حضرت تھانوی حضرت مولینا انورشاہ صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولینا شبیر احمد صاحب، حضرت مولینا حسین احمد صاحب، حضرت مولینا ظفر احمد صاحب وغیرہ بلکہ پاکستان و ہندوستان کے تمام اہل علم و تقویٰ۔ اسی نصاب کے پروردہ ہیں۔

اس نصاب و نظام کے بےمثال ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ہے کہ ہندوستان میں جمیعتہ علمائے ہند اور جمیعتہ علمائے اسلام اہل علم کی دو جماعتیں ہوئیں مگر علم و عمل کے کمال والا عدد ناظم دونوں کو اسی نظام نصاب کا پروردہ ملا۔ گویا سارے ہندوستان کا اس پر اتفاق ہوگیا۔ کہ یہی نصاب و نظام علم و عمل کا کمال پیدا کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ پاکستان میں بھی جو جمعیتیں قائم ہوئیں ایسی ہی ہیں۔ اس لئے زبان سے کوئی اقرار کرے یا نہ کرے عمل سے سب نے اس پر اتفاق کر دکھایا ہے کہ علم و عمل تقویٰ و طہارت کے ماہرین صرف اسی نصاب سے حاصل ہوسکتے ہیں اور کوئی نصاب و نظام اس کے قریب کے فوائد بھی نہیں دیتا ہے۔ سارے ملک بلکہ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ مذکورہ بالا ان حضرات نے اسی نصاب و نظام کی بدولت اپنے علم و عمل کی نظیر سے دنیا کو عاجز کر دکھایا ہے اس قدر عجیب نصاب و نظام کو جس کے ایسے ایسے نتائج آپ کے سامنے ہیں ناقص بتانے والوں پر کسی غرض یا یورپ کی مسموم ہوا کا شبہہ نہ ہو تو کیا کہا جائے۔

ہاں اس نصاب کو وہ حضرات ضرور خراب بتائیں گے جن پر نئے

دوسروں کو خوب سمجھانا کہ تسلی ہو جائے اور شکوک و شبہات دفع ہو جائیں
اول جز کے لئے یہ ضروری ہے کہ کلام کے ہر ہر لفظ کو مفردات کو
بھی مرکبات کو بھی ایسے سمجھے کہ اس کا مفہوم یقینی طور سے صحیح معلوم
ہوا اور یہ معلوم ہوگا دلائل سے اس کے دلائل اس کے تمام اصول ہوں گے
پھر ان اصول کا صحیح ہونا بھی دلیلوں سے معلوم ہو پھر ان مرکبات اور
جملوں سے مسائل اخذ کرنے کے اصول اور اصولوں کے دلائل پھر سب
دلائل کے صحیح غلط ہونے کے معیار معلوم ہوں تاکہ ہر مفہوم کو دلائل
سے شرح صدر کے ساتھ حاصل کرے اور اگر کوئی اس مفہوم میں شک
پیدا کرنے لگے تو اصول و دلائل اصول سے پرکھ سکے اور شک کا دفعیہ
کر سکے۔ اس معیار پر قابلیت حاصل کرنے کے لئے غور کیجئے۔ کتنی
محنت درکار ہے اور پھر اس طرح حاصل کر لینے سے ہر بات
کیسی یقینی اور پختہ ثبوت والی ہو سکتی ہے۔ واقعی دین معمولی چیز نہیں
ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے ہر ہر لفظ کے لئے ایسی ہی پختہ اور
گہری باتوں کی ضرورت ہے۔

لوگوں نے آج کل دین کو ایک کھیل بنا لیا ہے کہ ترجمے دیکھ، پڑھ
لئے اور بس خود کو عالم سمجھ بیٹھے اور عالم ہی نہیں ماہر بلکہ مجتہد تک
ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ پھر خود گمراہیوں میں مبتلا ہوتے اور دوسروں
کو مبتلا کرتے پھرتے ہیں۔

دوسرے جز کے لئے یہ خیال کیجئے کہ سب جانتے ہیں کہ اعتراض

کرنا آسان ہے اور جواب دینا خصوصاً تسلی بخش جواب دینا بہت مشکل ہے وہ عالم دین جس کو تفقہ کے بعد انذار کا اہل بنانا ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھئے کہ کتنے اعتراضوں کے جوابات کا ذمہ دار ہے۔ سنئیے کہ یہ عالم تمام کفار کی انواع کا جواب دہ ہے وہ یہودی ہوں یا عیسائی مجوسی ہوں یا بت پرست دہریے یا سناتنیے یا آریے پھر ان تمام گروہوں کا جواب دہ ہے جو اسلام کا نام لے کر کفر و الحاد پھیلاتے ہیں قادیانی وغیرہ پھر ان تمام جماعتوں کے لئے جواب دہ ہے۔ جو اسلام کے اندر ایجاد بندہ کرتے اور بدعت کی کسی قسم میں مبتلا ہیں پھر ان تمام پارٹیوں کا جواب دہ ہے جو دوسری قوموں یا دوسرے علوم کے اثرات سے متاثر ہو کر شبہات و شکوک میں مبتلا ہو گئیں پھر خود وہ اہل علم ہونے کے مدعیوں کا جواب دہ ہے جو خود کو سب سے بڑا عالم سمجھ بیٹھے ہیں چاہے علم صحیح کی ان کو ہوا بھی نہ لگی ہو پھر ان اہل حق فرقوں کا جواب دہ ہے۔ جو فروع میں اختلاف رکھتے ہیں پھر ان سادہ لوح یا یورپ زدہ لوگوں کا جواب دہ ہے جو کم فہمی سے مسائل دینیہ یا علم دین و علماء دین پر شکوک قائم کرتے ہیں پھر ان تمام طلباء علوم کا جواب دہ ہے جو علمی اشکالات میں الجھ جاتے ہیں پھر ان تمام متقی اور دیندار لوگوں کا بصورت افتاء جواب دہ ہے جو اپنے عمل و اصلاح کے لئے مسائل دریافت کرتے ہیں پھر تربیت باطنی میں ان حضرات کی مشکلات کا حل کرنے والا ہے جو راہ باطن کے نشیب و فراز میں آرہے ہیں۔ غرض واقعی طور سے ایک انار اور سو بیمار

بلکہ کروڑوں بیمار۔

پھر اسی پر بس نہیں طلبائے علوم کے ذہنوں میں علوم کو سہل کر کے جمانا عوام مسلمین کے ذہنوں میں دین کو پیوست کرنا دوسری بلاؤں سے نجات دینا گم گشتگان طریق کو راہ ہدایت پر لانا اخلاق رذیلہ سے یکسو کرنا اخلاق حسنہ سے موصوف کرنا تکدرات عناصر سے ارواح کو پاک کرنا ایمان کو کامل کرانا اور پھر صیقل کرنا نور باطنی کو نور الٰہی سے متصل کر دینا بھی اس کے کام ہیں اور پھر خود بھی اعمال و اخلاق میں سند روزگار ہو ہر ہر سکون و حرکت شریعت کے سانچے میں ڈھیلا ہو جامہ اتباع کہیں سے مسکا ہوا کھسکا ہوا یا ڈھیلا نہ ہو تمام عمر دین کی خدمت میں وقف کئے ہوئے ہو تمام مصائب فقر و فاقہ بلکہ دار و رسن تک کے لئے ہر وقت تیار ہو مگر دین سے سر مو انحراف گوارا نہ ہو سوائے دین کے کبھی تجارت صنعت حرفت زراعت وغیرہ میں مصروف نہ ہو گی اوقات دین کیلئے وقف رکھتا ہو گالیاں کھا کھا کے مشقتیں اٹھا اٹھا کے دنیا کی ہر چیز پہ لات مار کے دین و دینیات میں لگا ہوا ہو۔

"غور تو کیجئے۔ کس شان کا انسان ہے یہ" ایک شخص اور اس قدر کام۔ جہاں ایک سوال کا جواب مشکل ایک آدمی کو مطمئن کرنا مشکل وہاں یہ عالم دین ہے کہ سارے جہاں کے سائلوں کا جوابدہ ہے اور تسکین بخش جہان امور بالا میں سے ایک ایک کام سخت ترین دشوار وہاں یہ عالم دین ہے کہ سب کا اہل، سب کے لئے تیار، بلکہ

سب میں مشغول، آپ اندازہ لگائیے کہ ایک ایک عالم دین کو کتنی سمجھ بوجھ قابلیت پیدا کرنی ہے کتنی معلومات کتنی بیدار مغزی کتنی ذہانت کتنی حاضر جوابی اور کتنا تقوا و طہارت پیدا کرنا ہے اور اس کیلئے کتنی مدت کتنی محنت کتنی فراغت و بیفکری درکار ہے۔

غرض یہ ہے معیار اس قابلیت کا پیدا کرنا تَفَقُّہ فِی الدِّین ہے اگر حق تعالٰے کی طرف سے (اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرے گا) وعدہ اور اس کا مشاہدہ نہ ہوتا تو ایسے عالم کا وجود تصور میں بھی نہ آسکتا مگر ابھی زمانہ دور نہیں گیا حضرت مولٰنا گنگوہی حضرت نانوتوی کے دیکھنے والے موجود ہیں حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری حضرت تھانوی رحمہم اللہ کے دیکھنے والے بھی بکثرت ہیں۔ بلکہ موجودہ بزرگوں کو اب دیکھا جاسکتا ہے کہ سب صفات ان میں جمع ہیں اور بیک وقت یہ تمام کام انجام دے رہے ہیں اسلئے یہ معیار کوئی فرضی معیار نہیں ہے خیالی پلاؤ نہیں ہے۔ واقعی طور سے اسلام و اسلامیات کا محافظ دین کا نمونہ دین کا علمبردار وارث انبیاء اسی شان کا ہوسکتا ہے اور اوپر جو نام پیش ہیں بحمد اللہ اسی شان کے ہیں جس نصاب و نظام سے یہ حضرات اس معیار پر پورے اترے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ وہی نصاب و نظام سارے مسلمانوں کے لئے استعمال کیا جائے کہ شاید کوئی اور بھی اللہ کا بندہ ایسا نکلے اور اگر اس کو بدلا گیا تو عقلاً تو دونوں احتمال ہیں کہ اس کے تیار کردہ لوگ اس معیار سے بلند ہو

۷۶

جائیں اور یہ بھی احتمال ہے اور قوی بلکہ تقریباً یقینی کہ اس معیار کے آس پاس بھی نہ پہنچ سکیں اور جو فوائد و منافع اسلام اسلامیات کو اس صورت سے حاصل تھے وہ سب تمام ہو کر دین ہی دنیا سے رخصت ہو جائے اب آپ اس پر خود بھی غور کر لیں کہ جو ترمیمیں چودھویں صدی کے مجوزین تجویز کر رہے ہیں وہ اس معیار کے قریب لانیوالی ہیں یا اس سے دور کرنے والی ہیں۔ میرا خیال یہ ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ہاں اگر مقصود ہی دین کو صحیح دین کی صورت میں نہ رکھنا ہو تو ترمیم ضروری ہو گی مگر اسلام کی بقاء و اسلامیات کی بقاء کے طالب اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

جن لوگوں نے نصاب و نظام میں تبدیلی کی ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ وہ ایسے معیاری دیندار و متقی علماء جو مذکورہ بالا سب کام انجام دے سکیں کتنی تو کیا آج تک کوئی ایک بھی نہیں دکھا سکے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ ان سے تو اور گمراہی پھیلی ہے۔ تو وہ حق و انصاف سے بعید نہ ہو گا۔ دیندار دوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

اس معیار کیلئے کن علوم کی ضرورت ہے

تفقہ فی الدین کے یہی معنی نہیں کہ صرف دینی مسائل معلوم کرنے اور

بس کافی ہے۔ تفقہ حذاقت و مہارت ہے اور دین احکام الٰہیہ ہیں جو قرآن مجید ہے اور قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث و اجماع و قیاس بھی ہے ان میں مہارت تامہ یہ ہوگی کہ ہر ہر چیز کا پورا مفہوم ایسا تحقیقی حاصل ہو کہ اس کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہو اور خلاف کا دلائل سے غلط ہونا ثابت کیا جا سکے۔ اجماع و قیاس تو فقہ میں مل جائے گا اور قرآن مجید کے حفظ کے بعد اس کے مفہوم کے لئے تفاسیر کی ضرورت ہے تاکہ اپنی رائے پر مدار نہ رکھا جا سکے۔ اس لئے اصل یہ تین علم ہیں تفسیر و حدیث و فقہ باقی علوم انہی میں کمال پیدا کرنے کے لئے صرف اسباب و آلات ہیں مشہور ہے کہ

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مگر جو علم ان کے فہم کے لئے ضروری ہے وہ غیر نہیں جسکو ان سے علاقہ نہیں ہے غیر تو وہ ہے پھر قرآن و حدیث وغیرہ کے الفاظ کو جو عربی ہیں پوری طرح سمجھنا اور استدلالی طریق سے سمجھنا ضروری ہے۔ مفرد لفظوں میں تبدیل ہیئات سے کچھ تفاوت حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً مکونہ۔ کن کا ممنات۔ تکوین۔ کا نمنہ وغیرہ ان کا فقط ترجمہ معلوم کرنا پوری سمجھ کی بات نہیں۔ مسئلہ تلاش کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ان قواعد کو معلوم کرنا ہے جو زبان سے اخذ کئے گئے ہوں اور دلیلوں کے ساتھ اخذ کئے گئے ہوں اور ہیئات مفردات سے تعلق رکھتے ہوں پھر ان

کو خوب جاری کرنا ہے۔ ان قواعد سے تفاوت معلوم کرنا علم استدلالی ہے سمجھ بوجھ بہت ہے اور نتیجہ یہ ہوگا یہ علم صرف ہے پھر قواعد کلیہ سے یہ بھی راحت ہوگی کہ الگ الگ ایسے ایسے سینکڑوں لفظوں کو رٹنے کی جگہ قاعدہ کے سمجھنے سب سے یکدم سمجھ میں آجاتے ہیں۔

پھر مفرد لفظوں میں مادہ یعنی حروف کے بدلنے سے تبدیل ہوگی اس کو لغت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جو زبان کی تنقیح سے مدون کیا گیا ہے اور دلائل سے اس کا اثبات کیا ہوا ہے۔

پھر مرکبات یعنی ایک لفظ کا دوسرے سے تعلق بھی سبب تبدیل مفہوم ہوتا ہے اس تعلق کو جب تک ان اصول سے جو زبان کی چھان بین کرکے دلائل قائم کرکے مدون کئے گئے ہوں۔ معلوم نہ کیا جائے گا استدلالی اور صحیح تعلق معلوم نہ ہوگا۔ غلط معنے کرنے والے کی دلائل کے ساتھ غلطی نہیں بتاسکیں گے۔ محض رٹ لینے سے ان مرکبات کا علم استدلالی اور دیرپا حاصل نہیں ہوسکتا اور مشقت بھی کم نہ ہوسکے گی یہ علم نحو ہے۔

پھر ان مرکبات میں کوئی لفظ مقدم ہے کوئی موخر ہے کوئی کسی ہیئت سے کوئی کسی شکل سے کہیں کہیں بعض الفاظ زیادہ ہیں کہیں کم ہیں کہیں ایک ہی مضمون کو ایک طرح تعبیر کیا گیا ہے کہیں اسی کو دوسری طرح وغیرہ وغیرہ پھر طرح طرح کی تشبیہات و استعارات اور عجیب عجیب صنعتیں اور رعایتیں ہیں۔ ان سب کا تفاوت گو اصل مفہوم سمجھنے کیلئے

زیادہ ضروری ہیں۔ مگر کلام کا حسن وجہ فرق اور خصوصاً قرآن مجید کا اعجاز معلوم کرلے اور آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ضروری ہے اس کے لئے بھی قواعد کلیہ کی ضرورت ہے۔ جن کا اثبات زبان سے ہوگا اور پھر ان قواعد سے یہ حسن کلام استدلالی ہوکر معلوم ہوگا یہ فن بلاغت ہے یعنی معانی و بیان و بدیع ہے۔

گویا چار اول علم ادب کا جزو اعظم ہیں۔ مگر صرف و نحو و بلاغت کے لئے تو الگ مستقل کتابیں درس کا جزو ہیں اور لغت کی کوئی کتاب درس کا جز نہیں۔ بجائے لغت کے ادب سے اس کا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لغات کو رٹنا بہت ہی مشکل ہے اور ادبی کتابوں میں لغات بہولت سے یاد ہوتے ہیں اسی لئے کسی زبان یا کسی قسم کی تعلیم میں سوائے شاذ کے لغت حفظ کرنے کا معمول نہیں ہے ادبی کتابوں سے لغت کا ہی کام لیا جاتا ہے۔

ان علوم کی مہارت کے بعد طالب علم ہر عربی کلام کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے پر قادر ہوجاتا ہے جس قدر مہارت زیادہ ہوگی اسی قدر کامل فہم اور تحقیقی و استدلالی فہم حاصل ہوگا چونکہ دین جیسی عظیم الشان چیز کے سمجھنے سمجھانے اور ثابت کرنے کا ان فنون پر مدار ہے اسلئے اول تو ان فنون کے اصول خوب حاصل کرا کے ذہن نشین کرائے جاتے ہیں پھر ان کو خوب جاری کرا کے مہارت بڑھائی جاتی ہے پھر اصول کا صحیح ہونا دلائل سے معلوم کیا جاتا ہے جو عقلی بھی ہوتے ہیں اور نقلی بھی پھر ان دلائل کے صحت و سقم کے اصول علوم استدلالی

سے معلوم ہوتے ہیں۔ تب ہر ہر لفظ کا مفہوم ایسا استدلالی ہو جاتا ہے جو یقینی کے قریب ہو جاتا ہے اور ایسے اہم کام کے لئے اسی طرح حاصل کرنے کی ضرورت ہے یہاں ایک ایک لفظ پر حکم الٰہی و قانون کا مدار ہے۔ اس لئے ایک ایک حرف کو اس طرح حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسری زبانوں کی تعلیم پر اس کو قیاس کرنا ان علوم کے کمال و استحکام کو ختم کر کے دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنا ہے۔

اس کے بعد اب قرآن و حدیث کے مفرد و مرکب الفاظ اور جملوں سے احکام و مسائل کا اخذ کرنا ہے گو یہ اخذ کا کام بڑے زبردست علوم و معارف کا ہے۔ قرآن مجید کا لفظ مع۔ اختلاف قراءت و مدارج لغات و ظاہری و باطنی مرادات مقدم و موخر ناسخ و منسوخ اور تمام احادیث احکام مع تقدیم و تاخیر و حالات رواۃ ظاہری و باطنی مفہومات راجح و غیر راجح معانی تمام اصول حدیث تمام اصول فقہ وغیرہ کا بروقت ذہن میں حاضر ہونا ذہن و عقل کا اعلیٰ درجہ پر ہونا انوار باطن کا کمال خواہشات نفس سے بالکل علیحدگی حضور کے عہد کا قرب سب ضروریات کا وجود ضروری ہے۔ اور اس کا معیار بے انتہا بلند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بُعد ہونے کی وجہ سے وہ مرتبہ اب معدوم ہو گیا ہے اور اخذ مسائل کا تمام ضروری کام مجتہدین کرام نے انجام دے کر فقہ و کلام مرتب کر دیا ہے اب اسکی ضرورت نہیں تھی لیکن تفقہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسائل اخذ شدہ کی اصل

فرع میں تعلق معلوم کرے جہاں جہاں سے اور جس جس طرح سے مسائل اخذ کئے گئے ہیں ان کو معلوم کریں اس کے واسطے اس اخذ کے اصول جو قرآن وحدیث سے حاصل کرکے ائمہ کرام نے مدون کئے تھے اور پھر انہی اصول پر اخذ مسائل ہوا ہے۔ ایک مستقل فن اصول فقہ ہے اس لئے اس کی بھی ضرورت بہت ہے۔

چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ آیات کا شرح وبیان حضور کے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے احادیث اس وجہ سے بھی اور پھر حضور کے اتباع و اطاعت کا حکم جگہ جگہ ہے۔ اس لئے بھی ضروری ہیں مگر چونکہ قرآن مجید تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک قطعی ویقینی تواتر کے ساتھ آرہا ہے اور احادیث میں تفاوت ہے بعض تواتر کے درجہ میں قطعی ہیں بعض نہیں اس لئے ان کے مراتب واقسام اور اسباب ترجیح وغیرہ وغیرہ کے اصول صحیح جو احادیث سے اور علماء کے اتفاق سے حاصل ہوئے ہیں فن اصول حدیث ہے ائمہ مجتہدین کی محنتوں کے بعد اصول حدیث معلوم کرنے کی ایسی ضرورت نہ تھی کہ مسائل کا فہم اس پر موقوف ہو۔ کیونکہ ان حضرات نے ان اصول سے کام لے کر پرکھ کر مسائل اخذ کر کے ہمارے لئے تیار کر دیئے ہیں۔ اب پکی پکائی کے بعد خود پکاتے ہیں۔ لگن بیکار تھا ان پر اعتماد کرنا تھا۔ مگر تفقہ کا تقاضا ہے کہ اخذ مسائل میں جو احادیث ماخذ بنتی ہیں ان کی بھی کیفیت معلوم ہو اس درمیان میں اسماء رجال

یعنی حالات راویان حدیث کا بھی درس میں داخل ہونا ضروری تھا۔ مگر اسماء رجال کا رٹنا بھی لغت کی طرح بہت مشکل ہے اس کو احادیث کے ضمن میں قدر سے قدرے بتایا جاتا ہے تاکہ بقدر ضرورت معلوم ہو کر بقیہ سے مناسبت ہو جائے اور جب اس کی ضرورت حدیث کو ثابت کرنے کے یا کسی مباحثہ وغیرہ میں ہو تو کتا بوں سے کام لے لیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا مفہوم از خود تجویز کر لینے پر عتاب فرمایا ہے اس لئے ضروری ہے کہ خود حضور یا حضور کے شاگردان سے جو تفسیریں نقل ہیں ان پر مدار رکھا جائے کہ وہ حضور سے آئی ہوئی ہیں اس لئے ان کی ضرورت ہوئی۔ قرآن و حدیث سے جو مسائل اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کو فقہ اور جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو کلام سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ بعض مسائل کلامیہ کے اثبات کا تعلق دلائل نقلیہ کے علاوہ دلائل عقلیہ سے بھی ہے اس لئے کہ غیر مذہب والوں کو بھی ان سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس لئے فقہ کا یہ جز علیحدہ مستقل شمار ہو کر بھی فقہ کی طرح ضروری ہے۔

اسی طرح میراث کے احکام بھی جز فقہ کا ہی ایک جز ہے قلیل الاختلاف اور کثیر الاہتمام ہونے کی وجہ سے الگ فرائض [۱۲] نام سے ہو گیا ہے پھر اس کے لئے حساب [۱۳] کی ضرورت ہے اس لئے یہ فن بھی قدر ضرورت

ضروری تھا۔

فقہ کے احکام خصوصاً نماز روزہ کے لئے اوقات اور جہت قبلہ کا تحقق کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ہندسہ[14] و ہیئات[15] کی ضرورت ہے۔

تاریخ[16] پر گو کوئی بات موقوف نہیں۔ مگر محض اس لئے کہ اکابر اسلام کے مختصر سے حالات سے بھی کچھ واقفیت ہوجائے تو ازدیاد محبت اور شوق عمل حاصل ہوتا ہے ایک دو کتاب تاریخ کی مناسب ہے۔

اور گاہے گاہے مناظرہ[17] کا اتفاق ہوجاتا ہے اور تمام علوم میں بہت جگہ دلائل اور اعتراضات و خدشات و جوابات ہوتے ہیں اس کے انواع اور صحت و سقم کے قواعد معلوم ہونے کے لئے ایک کتاب اس فن کی بھی ذرا اہم ہے۔

اور چونکہ لغات کا اثبات زبان سے ہوتا ہے۔ زبان کے دو شعبے ہیں نثر و نظم نثر کے لئے انشاء ادب اور نظم کے لئے دیوان وغیرہ ادب کا جز ہیں۔ مگر نظم میں وزن ہوتا ہے۔ اس کے لئے فن کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کبھی وزن کی وجہ سے ضبط حرکات و استعمالات واضح ہوتا ہے۔ اس لئے ثبوت مل سکتا ہے تو علم عروض[18] و قافیہ کا کوئی رسالہ بھی مستحسن ہے۔

قرآن کے ہوتے انکی کیا ضرورت

یہ بھی ایک سوال بعض لوگ کر دیتے ہیں بلکہ بعض تو اس کو یوں رنگ دے کر کہتے ہیں کہ قرآن ان علوم کا محتاج نہیں اور قرآن پر ان کی حکومت نہیں چل سکتی۔ اس سے غلط فہمی واقع ہو سکتی ہے تو عرض کرنا ضروری ہوا کہ بیشک قرآن مجید تو اس کا محتاج نہیں مگر ہم ضرور محتاج ہیں کہ قرآن مجید کو پوری طرح اور حرف حرف کو صحیح طریقے سے سمجھ سکیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو خدائی مراد حاصل کرنے کی جگہ اپنی من مانی باتوں کو قرآن کہہ کر خدا تعالے پر تہمت لگانا ہوگا کہ جو بات ان کی نہیں اس کو ان کی قرار دیا جائے گا۔ فرد مجیہ نے اسکو بولے بڑائی

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لفظ اس کے عربی ہونے کو واضح کر رہے ہیں۔
جب تک عربی زبان کے لفظ لفظ کی حقیقت معلوم نہ ہوگی قرآن مجید کا مفہوم غلط سمجھا جائے گا۔ اور جب تک لِتُبَيِّنَهٗ لِلنَّاسِ حضور کے بیان کے لئے نزول، اور وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ حضور کا تعلیم قرآن فرمانا احادیث تفاسیر سے نہ لیا جائے گا۔ خدائی مراد معلوم نہ ہوگی اپنی تجویز کی ہوئی مرادیں ایک تہمت سے زیادہ درجہ نہ رکھیں گی۔

بیشک دین قرآن مجید ہی ہے مگر احادیث و تفاسیر حسب حکم الٰہی اس کی تشریحات ہیں اور ان سب سے جو مسائل حاصل ہوتے ہیں۔ وہی فقہ ہے نہ حدیث شریف قرآن سے الگ چیز ہے بلکہ ظاہری

طنی تشریح ہے۔ اسی کو تفسیر کہا گیا ہے اگر ظاہری ہونا دیل ہے باطنی سوا حدیث دونوں کو عام ہے اور نہ فقہ کوئی الگ چیز ہے قرآن یا حدیث کے راجح و معنوی دلائل سے جو مسائل لئے گئے ہیں وہ فقہ میں اسی واسطے اسلاف نے یوں کہا ہے کہ "علم دین فقہ اصول تفسیر و حدیث" فقہ کلام و فرائض کو شامل ہے۔ لہذا دین کے اصل علوم حدیث تفسیر فقہ ہیں اور یہ اٹھارہ علوم ان کی توضیح و تکمیل اور مقصود کو استدلالی طریق پر پوری طرح سمجھنے کے لئے ہیں جن میں سے اکثر موقوف علیہ ہیں۔

دینی درس میں منطق و فلسفہ کیوں ہے

ان سب میں جب کسی مدعا پر کوئی دلیل لائی جاتی ہے اس کا تعلق جملوں سے ہوگا یا غیر جملہ سے پھر اس دلیل کے اجزا و ترتیب اقسام و انواع اور ان کی حقیقت و اقعیت و ترتیب اور عقلاً ان کی صحت و سقم کے اصول کو منطق کہتے ہیں۔ اس کے معلوم ہونے سے کلام کے مفہومات کی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے۔

جس طرح ہر زبان والے اپنی گفتگو میں نحو صرف بلاغت کو برابر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح منطق کو برابر استعمال کرتے ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ان علوم کا جاننے والا صحت و سقم کو معلوم کر لیتا ہے اور اس کو دلائل و اصول سے ثابت کر سکتا ہے ناواقف اگر عقل سلیم اور ذوق صحیح رکھتا ہے تو اس کو بھی اکثر کھٹک پیدا ہوتی ہے۔ اور کہہ دیتا ہے کہ ایسے نہیں ایسے ہونا چاہیئے۔ مگر اثبات و

استدلال سے محروم ہے اور اگر عقل سلیم و ذوق صحیح بھی نہیں۔ تو اسکو پتہ بھی نہیں چلتا۔ جیسے نحو و بلاغت میں بھی واقف کو بصیرت و دلائل اور قوت اثبات حاصل ہوتی ہے۔ ناواقف کو ذوق سے فقط بعض جگہ احساس ہوتا ہے۔ اور بے ذوق ان سب سے محروم ہوتا ہے۔

پھر چونکہ یہ فن عقلی ہے اس لئے اس میں بحثیں بہت زیادہ ہیں ان کے مطالعہ سے ذہن بھی بہت تیز ہو جاتا ہے کہ عالم دین کو بہت ہی زیادہ ذہین ہونے کی ضرورت ہے لہٰذا اس لئے اس کے لئے اس فن کی بھی سخت ضرورت ہے۔ مگر جب عقل پر زور بہت پڑتا ہے تو بعض لوگ گھبرا اٹھتے ہیں، اور جو کامل طریق سے حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی بحث سے عام لوگ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے یا عہدہ برآ ہو سکنے کی شکست کی وجہ سے بہت لوگ اس کے مخالف ہو گئے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے جو قاعدہ مشہور ہے کہ الناس اعداء عما جھلوا جس چیز سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں اس کے دشمن ہو جاتے ہیں یہی حال منطق کا ہے جو لوگ منطق نہیں جانتے۔ ان کا یہ حال ہے کہ بہت سے الفاظ بولتے ہیں اور ان کے بھی حقیقی مفہوم نہیں سمجھتے۔ محال ممکن واجب ممتنع ضروری واقعی الفاظ دن رات مستعمل ہیں مگر عوام ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹی سی عام مثال ہے ورنہ اسکی بے انتہا مثالیں ہیں اسی لئے بعض اسلاف نے ان علماء کے علم کو

قابل اعتبار نہیں سمجھا جو منطق سے واقف نہیں طوطادی میں بعض کا قول ہے۔ المنطق معیار العلم من لا یعرف المنطق لا یوثق بعلمہ۔ (علم منطق ہر علم کا معیار ہے جو اس کو نہیں جانتا اس کے علم پر بھروسہ نہیں) امام غزالی نے بھی معیار فرمایا ہے یہ فن عقلی تحقیقی ہے اس کے مسائل اور پھر مسائل کے دلائل اور پھر ان کی تنقیح و توضیح اور قدح اور تشریحات کے لئے اعتراضات وجوابات بہت لطیف، لطیف دقیق۔ دقیق اور حیرت زاک ہیں درجہ بدرجہ اس کی کتابیں رکھی گئی ہیں اور کئی کئی ہر درجہ میں رکھی گئی ہیں۔ تب یہ فن حاصل ہوتا ہے منطق چونکہ عقلی علم ہے۔ اس لیے بعض اہل فن عقل کے زور میں حد سے نکل گئے تھے اسلام کے خلاف بہت امور لکھ گئے تھے۔ اہل اسلام نے ان کی دھجیاں اڑائی ہیں مگر اب بے ضرورت بلکہ مضر ہونے کی وجہ سے ایسے مضامین سے منطق کو پاک کر کے مسلمان کر کے نصاب میں رکھا گیا ہے۔ ایک زمانہ فلسفہ[۲] قدیم کے زور و شور کا رہ چکا ہے اس لئے ان انیس[۱] علوم کی بہت سی کتابوں میں فلسفہ کا زور ہے اس سے جو اشکالات ہوتے تھے یا ہو سکتے تھے ان کی قلعی کھولی گئی ہے۔ اور جو باتیں فلسفہ کی دین کے خلاف تھیں یا ان کو حذف کر دیا گیا ہے یا ان کو ایسا رد کر کے دکھا کہ وہ محل (بڑی) سفہ (حماقت) ثابت ہو جائیں آجکل کے کالجی نصابات کی طرح نہیں کہ الحادی مضامین بھرے پڑے ہوں اور مسلمانوں کے دل و دماغ پر لا مذہبیت مسلط کر دی جائے۔

مختصر لفظوں میں یوں کہئے کہ منطق و فلسفہ دونوں کو مسلمان کر کے لیا گیا ہے کاش کہ کالج والے بھی اپنے نصابات میں خلافِ اسلام علوم کو مسلمان کر لیتے۔

لیکن بہت سے امور فلسفہ قدیمہ کے ایسے بھی ہیں جن سے ہمیں اپنے علوم کے اثبات میں بہت مدد ملتی ہے خصوصاً الٰہیات کی بحث اس لئے ان کتابوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے اور ایسے مضامین سے کام لینے کے لئے ایک آدھ کتاب رکھی جانی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ باقی عوام کی کل کتاب سے تو فائدہ اٹھایا جائے اور ان چند بحثوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جن میں فلسفۂ قدیم آگیا ہے ادھر اس فلسفہ سے بعض گمراہ فرقوں نے کام لے کر عقائد میں گڑبڑ کی ہے۔ کتب عقائد میں ان کا رد ہے نقلاً تو رد ہے ہی عقلاً بھی ہے اور آج گو فلسفہ جدیدہ کا دور ہے مگر بہت سے لوگ ان باطل مذاہب کی باتوں کو آڑ بناتے ہیں معتزلہ کا مذہب ختم ہو چکا ہے۔ مگر نئی روشنی کے بہت لوگوں نے بعینہٖ انہی عقائد کا اظہار کیا ہے اس لئے ایک دو کتاب اس فن کی رکھنا ضروری ہے بہر حال یہ سب علوم تفقہ فی الدین کے بدرجہ کمال حاصل کرنے کے ضروری ہیں یا معین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف علمائے دین اور بڑے بڑے مقدس اہلِ تقویٰ سراپا دین علماء نے ان علوم میں عمریں کھپائی ہیں ان کی تہذیب و تنقیح توضیح و تشریح کی تالیفات کی ہیں ورنہ جو لوگ جاہ و مال کے طالب

نہ تھے وہ اپنی عزیز عمریں یوں ضائع نہ کرتے اگر ان علوم کو ضروریات دین میں داخل نہ سمجھتے تو اپنا وقت ان میں نہ لگاتے بلکہ دوسرے دینی کاموں میں صرف کرتے ان مقدس حضرات کا ان علوم سے اس قدر اعتنا کرنا اہتمام برتنا ان کے علوم دینیہ کے مقدمات ہونے کی اور علوم دین کے لئے مفید ہونے کی کافی دلیل ہے۔

ان علوم کیلئے کیا کیا کتابیں ضروری ہیں

مذکورہ بالا بیس علوم میں سے حدیث و تفسیر و فقہ مع کلام و فرائض اصل ہیں باقی پندرہ علوم بعض موقوف علیہ اور بے انتہا ضروری اور بعض مستحسن اور بعض کم درجہ میں ضروری پھر بعض دو ایک کتابوں سے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت کتابوں سے پھر تعلیم حاصل کرنے والے کند ذہن متوسط الذہن اور ذہین پھر بدشوق اور شوقین بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے حسب ضرورت ہر علم کی کتابیں متعدد اور درجہ بدرجہ رکھنے کی ضرورت ہے جو نصاب درس نظامی کے نام سے آجکل رائج ہے برس ہا برس سے اس کا تجربہ ہو رہا ہے کہ اسکی سب کتابیں بہت ہی مناسب اور ترتیب نہایت ہی بہتر ہے لیکن پھر بھی یہ نصاب کوئی وحی نہیں کہ بدلا نہ جا سکے مقاصد مدارس کو پورا کرنیوالا کوئی اور نصاب کوئی صاحب تجویز کریں اور اس میں اس سے زیادہ وہ منافع جو اس کے مقاصد کے لئے ضروری ہیں دکھلائیں اس کا تجربہ کرائیں

کوئی مدرسہ ایسا بنا کر دکھائیں جس میں ایسے جید علمائے دین متبحر نمونہ سلف بزرگ متقی پرہیزگار اوصاف مذکور کے جامع یا حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی حضرت دیوبندی حضرت سہارنپوری جیسے علماء نکلیں تب یہ کہنے کا حق ہے۔ کہ یہ نصاب رکھو وہ نہ رکھو اگر کوئی ایسا نصاب نہیں تو پھر لب نہ ہلانا چاہیئے۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

تفصیل و ترتیب کتب

اجمال سے تسلی نہیں ہوتی اس لئے اس نصاب پر ایک تفصیلی نظر کی جاتی ہے ممکن ہے اہل انصاف اور دیندار لوگ اس پر غور فرما سکیں ہمارے دینی مدارس میں درس نظامی کا عربی نصاب یہ ہے۔

سال اول تین ماہ تک صرف میزان الصرف و منشعب باقی اوقات میں فارسی کی گلستان بوستان عالمگیری وغیرہ تا سکندر نامہ تین ماہ بعد صرف میر بعدہ علم الصیغہ اور دوسرا سبق پنج گنج بعدہ نحو میر۔

سال دوم میں سبق اول شرح مأۃ عامل بعدہ ہدایۃ النحو دوسرا سبق فصول اکبری بعدہ۔ تیسرا المنطق بعدہ ایسا غوجی بعدہ مرقات اور تیسرا سبق مراح بعدہ نور الایضاح سال سوم میں کافیہ بعدہ شرح جامی بحث فعل تک دوسرا سبق تہذیب بعدہ شرح تہذیب تیسرا سبق قدوری چوتھا

سبق مفید الطالبین[19] بعدہ نفحۃ الیمن[20] صرف باب اول بعدہ ترجمہ[21] پارہ عم

سال چہارم شرح جامی[22] بحث اسم دوسرا سبق قطبی[23] تصدیقات بعدہ

قطبی[24] تصورات مع میر تیسرا سبق کنز الدقائق[25] بعدہ تعلیم المتعلم[26]۔ چوتھا

سبق اصول الشاشی[27] بعدہ تلخیص المفتاح[28]

سال پنجم مختصر معانی[29] دوسرا سبق سلم العلوم[30] بعدہ ہدیہ سعیدیہ[31]

تیسرا سبق شرح وقایہ[32] جلدین اولین بعدہ رشیدیہ[33] چوتھا سبق نور الانوار[34]

سال ششم ملاحسن[35] بعدہ ملا جلال[36] مع میر زاہد دوسرا سبق ہدایہ[37]

اولین بعدہ سراجی[38] تیسرا سبق مقامات حریری[39] ۲۵ مقالے بعدہ سبعہ[40]

معلقہ چوتھا سبق جامی[41] بعدہ مطول[42] بحث انا قلت ۔

سال ہفتم جلالین[43] ۔ دوسرا سبق ہدایہ[44] ثالث تیسرا سبق دیوان[45] ۔

متنبی بعدہ حماسہ[46] چوتھا سبق میبذی[47] بعدہ تاریخ الخلفاء[48]

سال ہشتم بیضاوی[49] سورہ بقرہ بعدہ مدارک[50] پارہ الم ۔ دوسرا سبق

شرح عقائد[51] نسفیہ مع خیالی بعدہ امور عامہ[52] تیسرا سبق ہدایہ[53] رابع ۔ چوتھا

سبق مشکوۃ[54] مع مقدمہ بعدہ نخبۃ الفکر[55] ۔

سال نہم بخاری[56] دوسرا سبق مسلم[57] تیسرا سبق ترمذی[58] مع شمائل ۔

چوتھا سبق طحاوی[59] بعدہ موطا امام محمد[60] پانچواں سبق نسائی[61] بعدہ ابن ماجہ بعدہ[62]

موطا امام مالک[63] چھٹا سبق ابوداؤد[64] ۔

سال دہم اقلیدس[65] بعدہ تصریح[66] بعدہ چغمینی[67] بعدہ سبع شداد[68]

دوسرا سبق صدرا[69] بعدہ شمس بازغہ[70] بعدہ خلاصۃ الحساب[71] تیسرا سبق

حمداللہ بعدہ قاضی مبارک چوتھا سبق رسم المفتی بعدہ درمختار پانچواں سبق توضیح تلویح بعدہ مسلم الثبوت۔ لیکن مناسب ہو کر سال دہم کی کتابیں نہم کی جگہ اور نہم کی دہم کی جگہ رکھیں۔ تاکہ حدیث پڑھنے کے وقت تمام ضروری و مفید کتابیں مکمل ہو چکیں۔ لیکن کسی طالب علم کو کوئی مجبوری ہو تو وہ اسی ترتیب پر پڑھے۔

ترتیب کتب کی مصلحتیں

اوپر علوم کے بیان میں گذر چکا ہے کہ فلاں فلاں علوم قرآن وحدیث کے کماحقہ سمجھنے کے لئے ضروری ہیں اور فلاں فلاں علوم مفید و معین اور فلاں فلاں براہ راست ضروری و مفید نہیں مگر علوم ضروریہ یا مفیدہ کے لیے ضروری یا مفید ہیں۔ اب ان علوم کی مندرجہ بالا کتابیں ترتیب مذکورہ کے ساتھ داخل نصاب ہیں چونکہ ہر علم میں اصول وقواعد اور پھر اصول کے دلائل کی ضرورت ہے۔ اور پھر دلائل کے صحت وسقم کے معیاروں کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو علوم زیادہ ضروری یا مشکل تھے ان کی کتابیں کئی کئی رکھی گئی ہیں۔ تاکہ ذہین غبی متوسط ہر طبیعت والے کا کام بھی چل سکے۔

علم صرف میں سب سے پہلے میزان و منشعب صرف ایک سبق رکھا ہے جو فارسی کی گلستان کے ساتھ ہوگا اور اسکی ہمراہ دوسری فارسی کتابیں بھی جاری رہیں گی تاکہ قدسی استعداد کافی رہے اور یہ

اور آئندہ کتابیں اچھی طرح ضبط ہو سکیں میزان و منشعب میں بغیر تعلیل کے افعال اور ان کے ابواب اور صیغے ہیں جب یہ ذہن نشین ہو جائیں تب تغیرات و تعلیلات کے واسطے دو سبق پنج گنج اور صرف میر دی جاتی ہیں تاکہ تعلیلات حاصل ہو سکیں پھر اس کے بعد علم الصیغہ جن ہیں کہ صرف میر و پنج گنج میں تعلیلات اور گردانوں کی جو کمی رہ جائے وہ بھی پوری ہو جائے اور قواعد کا ضبط سہل ہو جائے اور نیز تدریس میں مدرس کچھ کچھ دلائل ان اصول کے بیان کرتا رہے اب چونکہ مفردات کی ہیئات کے متعلق کافی ذخیرہ ہو جائے گا اسلئے ساتھ میں نحو کا ابتدائی رسالہ نحو میر بھی دیا جاتا ہے کہ نفس مسائل نحو میں کافی واقفیت ہو جائے۔ لفظوں کے باہم جوڑ کے طریقے معلوم ہو جائیں۔

پھر سال دوم میں فصول اکبری جس میں اصول زائد بھی ہیں قابل ضبط بھی اور مختصر بھی اور تعلیم میں ہر مسئلہ کے دلائل عقلیہ پر بھی زور دیا جاتا ہے اور مراح الارواح سے اس کی تکمیل کر کے صرف کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ نحو کے مسائل جو نحو میر میں حاصل ہوئے تھے ان کو شرح مائۃ عامل میں جاری کیا جاتا ہے۔ جس کو ترکیب کرنا کہتے ہیں اس اجرا کے بعد مکمل مسائل نحو سادہ طریق سے ہدایۃ النحو میں دئیے جاتے ہیں جس میں اصول زائد اور مکمل ہیں اور اجرا کی مشق کا سلسلہ جو یہاں سے سال چہارم تک برابر چلتا ہے جاری رہتا ہے جس سے مسائل و اصول کی پختگی و کمال ہوتا رہتا ہے

ادھر صرف کی عربی عبارت کی کتاب مراح عربی ترکیب کے اجرا کے ساتھ سے دی جاتی ہے تاکہ فہم میں سہولت ہو اور صرف کا سلسلہ ختم ہونے پر منطق کے لئے کچھ مسائل بہت سہل اُردو میں رسالہ تیسیر المنطق پھر کچھ بعد ایسا غوجی میں پھر مزید کے لئے مرقات دیجاتی ہے شرح مائۃ عامل کے کچھ حصہ کے ہو جانے کے بعد عربی میں منطق کے مسائل سہل سہل عبارت کے ایسا غوجی میں پھر ہدایۃ النحو کے ساتھ مرقات میں آسان لہتے ہیں اور ہدایۃ النحو سے عبارت حل کر سکنے کے ملکہ کا آغاز ہو جاتا ہے اسلئے عربی فقہ کی پہلی کتاب نور الایضاح جس میں صرف عبادات ہیں دی جاتی ہے۔ سال سوم میں نحو میں کافیہ جس میں ہدایۃ النحو کے سے مسائل اسی ترتیب پر ملتے ہیں۔ مگر تحصیر ہدایۃ النحو کے مسائل کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسب مسائل کے ساتھ دلائل اور تکمیل اجراء نحو کے لئے عبارت پر سوال جواب زبانی بتانے شروع ہو جاتے ہیں اس کے بعد شرح جامی کی بحث فعل چونکہ بحث اسم سے آسان ہے وہ دی جاتی ہے اس سے کافیہ ہدایۃ النحو کے بحث فعل کے مسائل کے دلائل عقلیہ و نقلیہ جو کافیہ میں زبانی تھے یہاں کتابی شکل میں آتے ہیں اور کلام کے نکات سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنے کے لئے رفتہ رفتہ یہ بھی بیان ہوتا رہتا ہے کہ شارح کی عبارت میں جو اضافہ متن پر ہے اس سے کیا غرض ہے بغیر اس کے کیا ابہام یا اشکال ہوتا تھا۔ گاہ گاہ بحث فعل کے بعد القیہ ابن مالک بھی ہوتا ہے جو مزید

مسائل پر بھی مشتمل ہے اور نظم ہونیکی وجہ سے سہل الحفظ بھی ہے عبارت
کی استعداد یہاں تک پہنچنے پر منطق میں تہذیب جو بہت مختصر متن ہے
اور مسائل منطق کو مختصر و مہذب کرکے لکھا گیا ہے پھر اسکی شرح پڑھائی
جاتی ہے جس میں ان مسائل کے دلائل مگر مختصر طریق سے ہیں اور سہل سہل
ہیں چونکہ فن عقلی ہے. عقلی ورزش کا بھی کام دیتا ہے اس لیئے اول اول
چھوٹے اور ہلکے ہلکے اردو میں مسائل تھے۔ پھر ذرا زائد عربی میں مختصر
سے ایساغوجی میں پھر ذرا مفصل مسائل مرقات میں پھر استحضار کے لیئے
مختصر و مہذب مسائل تہذیب میں پھر ان مسائل کے سہل و مختصر دلائل
شرح تہذیب میں یہاں تک آگئے ہیں ادھر فقہ میں کل ابواب پر مشتمل کتاب
سہل بلا اہتمام دلائل قدوری ہوتی ہے اور عبارت سے واقفیت کی بنا
پر ہیئات مفردات صرف میں کل حاصل ہو چکی اور مع دلائل ہو چکی نحو میں
مرکبات کے تعلقات یعنی ترکیب کے اصول مع کچھ کچھ دلائل کے آچکے
تو اب مادۂ مفردات یعنی لغت کے لئے ادب کا رسالہ مفید الطالبین پھر
اس کے بعد نفحۃ الیمن پھر اس کے بعد اسی طرح ادبی طریق سے ترجمہ قرآن
شریف پارہ عم کہ صرف و نحو بھی جاری ہو لغات کے استعمالات پر بھی نظر
ہو کر کلام الٰہی کے حقیقی مفہوم کے حاصل کرنے کی مشق ہو جائے اس طرح
اس سال میں صرف کے ختم کے بعد نحو و لغت یعنی ادب اور حل عبارت
و فہم کلام کا کافی کام ہو جاتا اور منطق بھی مع مختصر دلائل ہو جاتی ہے۔

سال چہارم میں، نحو کے مسائل پر وہ دلائل جو کافیہ میں زبانی آگئے

تھے اب شرح جامی میں اسی ترتیب سے کتابی شکل میں عقلی و نقلی مزید انکات
دقیقہ کے ساتھ آئیں گے۔ دلائل نحو مکمل ہو چکے نحو ختم ہو گئی۔ مگر یہاں
ہر ہر لفظ پر یہ بحث بھی زبانی ہوتی ہے کہ اس کے اضافہ کی غرض کیا
ہے۔ اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو عبارت میں کیا خلل ہوتا اور اس لفظ کے فوائد و
منافع کیا ہیں اس سے ہر کلام کے ایک ایک لفظ کا ہر ہر نکتہ معلوم کرنیکا
ملکہ پیدا ہو کر ہر کلام کو پوری طرح سمجھنے کا کامل سلیقہ پیدا ہوتا ہے اسی
لئے ان مدارس کے صاحب استعداد طلبہ و علماء کو آج کل کے کم استعداد
اُردو لکھنے والے لوگوں کی کوئی تصنیف پسند نہیں آتی کیونکہ وہ لغو
وحشو بے فائدہ وطویل بے جوڑ اور بے ضرورت عبارتوں پر بہت
مشتمل ہوتی ہے گو کم فہم لوگوں نے اس کا نام ادب رکھ دیا ہو چنانچہ
جن اہل علم میں زمانہ کی طویل گوئی کا اثر نہیں آیا۔ ان کے کلام کو آپ
بہت مختصر اور ہر پہلو کا جامع دیکھیں گے جو آج کل مفقود ہوتا جا رہا
ہے۔ پھر دلائل کے صحت وسقم کا علم الاستدلال شرح تہذیب مع
مختصر دلائل ہو چکا تھا اب دلائل کی تفصیل کا نمبر آتا ہے مگر چونکہ قطبی
کی تصدیقات کی بحثیں بہ نسبت تصورات کے آسان ہیں ان کو پہلے
رکھا گیا ہے اور تصورات کے بعد میں قطبی میں مسائل کے دلائل اصول
و مسائل کی مکمل تہذیب و تنقیح اور نہایت تفصیل سے ہے پھر میر قطبی
میں مزید تنقیحات ہیں اور زور کلام صرف تصورات میں ہے اس لئے
میر کے صرف تصورات داخل درس ہیں فقہ میں تمام مسائل سادہ

قدوری میں ہوچکے تھے کنزالدقائق میں مسائل وصور تہائے مسائل کے ساتھ مسائل کے دلائل زبانی بیان ہوتے ہیں اور بعد میں چھوٹا سا رسالہ تعلیم المتعلم جس میں طلبہ کو طلب علم کے بعض اصول بتائے ہیں تکمیل طلب اور تشویق علوم کے لئے دے دیا گیا ہے۔ پھر چونکہ قدوری میں مسائل فقہ تمام مختصر اور سادہ طریق سے معلوم ہوچکے تھے ادھر نحو وصرف اور ادب کا بھی کافی کام ہوچکا ہے اصول فقہ کے سادہ مسائل کی کتاب اصول الشاشی دی جاتی ہے کہ مسائل کچھ پہلے معلوم ہوچکے کچھ اب کنز میں ہو رہے لہذا اصول استنباط و اخذ مسائل معلوم ہوں اور ان کی مثالوں کا فہم آسان ہو اور چونکہ فن کی پہلی کتاب ہے اس لئے سہل کتاب لی گئی ہے اور نحو وصرف و لغت کی وجہ سے اس کا حاصل کرنا اب سہل بھی ہوگیا ہے اس کے بعد فن بلاغت کی پہلی کتاب وہ کتاب ہے جس میں مسائل بلا دلائل مگر تنقیح وتہذیب کے ساتھ بہترین ترتیب سے جمع ہیں دی جاتی ہے۔ صرف و نحو و لغت کے اس قدر کام کے بعد یہ مختصر کتاب تلخیص المفتاح سہل الحصول ہوجاتی ہے اس کی مثالوں کے اشعار اب سہل ہوتے ہیں اس لئے اس سے پہلے نہیں دی گئی۔ سال پنجم میں جبکہ صرف سے ملت ہوئے فراغت ہوچکتی ہے نحو کی تکمیل ہوچکتی ہے بلاغت کے مسائل تلخیص میں مع مثالوں کے آچکے تو اب ان کے دلائل مختصرہ و تنقیحات جدیدہ پر مشتمل کتاب مختصر المعانی جو تلخیص کی شرح ہے دی جاتی ہے تاکہ جس ترتیب سے تلخیص میں آئے تھے وہی ترتیب رہ کر سہولت

ہو اور دلائل کا مدار منطق پر بھی ہوتا ہے جو علم الاستدلال ہے یہ قطبی و میر قطبی میں مع دلائل آچکے ہیں۔ اس لئے اب اس کے دلائل ذہن نشین ہو سکیں گے پھر منطق کے مسائل کی عجیب وغریب تنقیحات کے لئے سلم العلوم ہے اور دلائل مسائل کی بھی کچھ تنقیحات کتاب میں آچکی ہے اب ذہنی ورزش کا اعلیٰ دور شروع ہوتا ہے اس کے بعد ہدیہ سعیدیہ فلسفۂ قدیمہ میں سہل الحصول کتاب ہے کہ آئندہ کتابوں کے لئے اور ذہنی ترقی کے لئے ایک بنیا زینہ بنتا ہے فقہ میں تمام مسائل قدوری و کنز میں آچکے تھے کنز میں کچھ کچھ دلائل زبانی تھے شرح وقایہ میں زیادہ پیش آنے والے مسائل عبادات و نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل کے دلائل احادیث و قیاس کے ملتے ہیں بہت سہل عبارت ہے۔ اور اصول الشاشی میں اصول اخذ مسائل سے قدرے واقفیت ہو چکی ہے یہ دلائل قریب الحصول ہو جاتے ہیں چونکہ اب فقہ کے مسائل کتابی شکل میں آ گئے اور مقصود فقہ ہے اس لئے دلائل پر اعتراضات و جوابات یعنی فن مناظرہ کی ایک کتاب مناسب ہوئی یہ رشیدیہ ہے اصول فقہ کے مسائل و قواعد اصول الشاشی میں سادہ آئے تھے نور الانوار میں مختصر دلائل اور توضیح و شرح کے ساتھ دئے جاتے ہیں۔ تاکہ آئندہ کتب کے لئے بھی سہولت ہو اور فن کے مسائل کی تکمیل و مہارت میں معین ہو۔

رسائل شمسیہ میں بلاغت کے مسائل و دلائل کی تکمیل پر تفصیلی بحث کے لئے مطول ہوتی ہے زیادہ تفصیل جہاں تک ہے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا گیا ہے اور اصول فقہ میں حسامی ہے جس سے مسائل و دلائل کی …

مقصود ہے منطق میں ملاحسن رکھی گئی جس میں نہایت دقیق و باریک بحثیں ہیں ان بحثوں کا تعلق فلسفہ سے بھی ہے اس لئے ہدیہ سعدیہ پہلے ہوجاتا ہے اور عقلی کام زیادہ ہے اس لئے صرف ونحو و بلاغت کی کل یا کافی مقدار کے بعد ہے تاکہ ذہن عقلیات کی طرف متوجہ ہوسکے فقہ میں دلائل فقہ کے لئے ہدایہ کی اول دو جلدیں ہیں جن سے احادیث و قیاس کے دلائل معلوم ہوتے ہیں اور اصول فقہ میں اصول الشاشی و نور الانوار پہلے اور حسامی ہمراہ ہونے سے ان دلائل کو خوب سمجھا جا سکتا ہے۔ علم الفرائض مختصر فن ہے زیادہ اختلافی نہیں ہے پھر قدوری و کنز میں بھی معمولی طور سے آچکتا ہے۔ اس لئے اس کی صرف ایک کتاب کافی ہے سراجی اس سے مشق کراکے فرائض نکالنے کی عادت ڈال دی جاتی ہے اس کے لئے جسقدر حساب کی ضرورت ہے وہ درجہ فارسی میں حاصل کرا دیا جاتا ہے ورنہ اس وقت اس کو ہر شخص حاصل کرتا ہے۔ صرف ونحو اور لغت پہلے بھی کافی ہوچکتا ہے مگر چونکہ عربی ایک وسیع زبان ہے اس کے لغات کے واسطے مقامات حریری ایسی کتاب رکھی گئی ہے جس میں لغات۔ کا بے انتہا بھرمار ہے اور مضامین بھی ادبی کتابوں کی طرح غیر اہم ہیں کہ ذہن کو مضامین کی طرف کوئی توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ تاکہ یک وقت صرف توجہ ہوکر ذہن کو تشویش نہ ہو بس صرف لغات اور ان کے طرز استعمال پر توجہ رہتی ہے اس کے پچیس ۲۵ مقامے اس کام کے لئے بہت کافی تھے اسلئے باقی پچیس ۲۵ کو خارج رکھا گیا ہے کہ عام استعمالات کے الفاظ تقریباً آگئے

میں سب آجاتے ہیں اس کے بعد زمانہ جاہلیت کی شاعری کے سات
قصائد کا مجموعہ جو سب اشعار سے افضل قرار دیا گیا ہے پڑھایا جاتا ہے
کہ نظم کے استعمالات اور رعایات پر بھی کچھ عبور ہو اور کلام الٰہی کے
ورعایات سے واقفیت ہوگا۔ گاہ اسکے ہمراہ سکا کی کا رسالہ عروض المفتاح
وغیرہ بھی رکھا جاتا ہے تاکہ محاورات و استعمالات پر جو نظم سے
کیا جا سکتا ہے خصوصاً بعض لفظوں کی حرکات پر تو ان کا مدار وزن پر
ہے تاکہ تقطیع کر سکیں اور حرکت وزن کے علم سے مستحکم ہو جائے۔

سال ہفتم میں صرف نحو بلاغت ادب نثر و نظم کے فنون کے بعد

جلالین وہ تفسیر دی جاتی ہے جو نہایت مختصر طریق سے قرآن مجید کو حل
کرتی ہے اور تمام تفسیروں میں سے اہم ترین اور راجح تفسیروں کو بہت
اختصار سے احاطہ کئے ہوئے ہے علوم مذکورہ کی وجہ سے قرآن مجید
کے اکثر حصہ کو خود حل کرنے کے قابل پہلے سے ہو جانا لازمی ہے صرف
تفسیری مرادات کی ضرورت رہتی ہے اور شان نزول مسائل قصص قرآن
دوسری تفاسیر اور اختلافی مسائل پر استدلال و جواب مدرس کرتا ہے
اجمالی عبور اس کتاب سے ہوتا ہے فقہ میں ہدایہ کی تیسری جلد ہمراہ ہوتی
ہے تاکہ دلائل مسائل فقہ کا بقیہ بھی حاصل ہو اور ادب میں دیوان متنبی
متاخرین شعراء کے کلام میں سے مایہ ناز کلام اور اس کے بعد حماسہ قبل
اسلام و آغاز اسلام کے وقت کے شعراء کا منتخب کلام پڑھایا جاتا ہے
تاکہ ادب نظم کی تکمیل ہو جائے اور کلام کے نشیب و فراز سے واقفیت

ہو حسن و قبح کی ضروری تمیز ہو اور کلام اللہ و کلام رسول کو پوری طرح سمجھنے اور ان کے محاسن کے ادراک میں بصیرت کامل حاصل ہو۔

البتہ ان مدارس میں یہ خرافات نہیں کی جائے گی۔ کہ شعری عیوب و نقائص پر گفتگو ہو کیونکہ اس سے اصل مقصد کو کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے نقد الشعر کی کوئی کتاب داخل نصاب نہیں اور شاعری جیسے کم فائدہ بہت مضر کام میں الجھانا اصل سے غافل کرنا بھی مقصود و منظور نہیں ہے۔

فلسفہ کی ایک کتاب سہل و ابتدائی کتاب نفس مسائل کی ہدیہ سعیدیہ پہلے ہو جاتی ہے مگر علم کلام کے مضامین اور کتب علمیہ و بعض تفاسیر میں فلسفہ کے مباحث ہیں ان کے لئے فلسفہ کی ضرورت ہے اور فلسفہ کا ربط منطق کی دقیق کتابوں سے ہے اس لئے ملا حسن ہو چکنے کے بعد میبذی رکھی گئی ہے تاریخ گو کوئی معتد بہ اور ضروری فن نہیں ہے جیسے کہ آگے انشاء اللہ عرض کیا جائے گا۔ مگر اکابر اسلام کے حالات معلوم ہونے سے طبائع کو محبت اور شوق عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے تاریخ الخلفا صرف ایک کتاب مناسب معلوم ہوئی۔

سال ہشتم میں تکمیل تفسیر کے لئے بیضاوی تا سورۃ بقرہ کہ تفسیری مباحث یہیں تک زیادہ ہیں آگے مختصر حل رہ جاتا ہے اور ایسے ہی مدارک پارہ الم ہے گاہ گاہ تفسیر اتقان وکشاف اور اب دو تفسیر تفسیر ابن کثیر مکمل و تفسیر بیضاوی کامل وغیرہ بھی داخل ہے گو ان کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ کلام الٰہی کا تفسیری حل جلالین میں ہو چکتا

ہے اور الفاظ مفردہ کا صرف و لغت یا ادب میں اور مرکبہ کا نحو و بلاغت میں اور اخذ مسائل کا اصول فقہ میں اور عقلی دلائل کا منطق وغیرہ میں حل ہو چکتا ہے مگر جبر نقصان اور مزید معلومات کے لئے یہ کتابیں بھی ہو جاتی ہیں علم کلام جو فقہ کا عقائد والا جزء ہے۔ اس کے لئے اول شرح عقائد نسفیہ جس میں عقائد و مختصر دلائل کی تکمیل کے لئے ہدایہ رابع اور اب تمام علوم ضروریہ کے کافی مقدار میں ہو جانے پر حدیث کی مختصر و جامع کتاب مشکوٰۃ دی جاتی ہے جس میں صحاح ستہ اور دوسری کتابوں کا انتخاب ہے بلا سند نفس حدیث ہے اس کے درس میں مدرس مذاہب و دلائل مذاہب اربعہ و ترجیح راجح سے مختصراً روشناس کرایا جاتا ہے اس کتاب سے درس حدیث کا آغاز ہے اس لئے اس کے ساتھ اصول حدیث کے لئے اول سہل و سادہ کتاب مقدمہ مشکوٰۃ مصنفہ حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ پھر ذرا مفصل و مدلل نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ہوتی ہے۔ ان مختصر اصول کے لئے صرف دو کتابیں کافی ہیں مزید کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر سال نہم میں دورۂ حدیث تمام صحاح ستہ مع دیگر کتب حدیث ہوتی ہیں جن میں ایک ایک حدیث پر روایت و درایت اور اخذ مسائل و اسماء الرجال اختلافات و دلائل اور ترجیح راجح کی مفصل و مدلل بحثیں اثنائے درس میں ہوتی ہیں چونکہ طلبہ عبارت کے مفرد و مرکب کے تمام پہلوؤں میں مہارت حاصل کر چکتے ہیں اور حدیث شریف کی عبارت اکثر سہل ہے۔ اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہوتی مشکل مقامات کے حل پر اکتفا

ہوتا ہے اور باقی مباحث بالا ہوتے ہیں اور چونکہ کتب احادیث میں ابواب ملتے جلتے ہیں اس لئے سب کا ایک سال میں ہونا اس لئے معین ہوتا ہے کہ ایک ساتھ سب کے مضامین حاصل ہوں ایک سے دوسرے کو مدد ملے سوائے بعض خصوصیات کے اور سب مشترک مضامین ایکدم سہولت سے حاصل ہوں ایک سبق میں ایک مدرس کے بیان تحقیقات ہوئیں ہیں دوسرے میں دوسرے کے یہاں اس طرح سب الگ الگ۔ کہیں نہ کہیں کی کوئی نہ کوئی بات ضرور منضبط رہے گی اور وہ سب جگہ کارآمد ہوگی۔ مکرر بلکہ کئی بار بھی ہوگی اس لئے ذہن نشین ہوں گی۔

سال دہم میں سمت قبلہ اوقات نماز روزہ وغیرہ وغیرہ مسائل کے لئے اوقلیدس تصریح شرح چغمینی مع شداد اور فلسفے کے مباحث کی بصیرت کے لئے مختصر سا صدرا شمس بازغہ در حساب کی تکمیل کے لئے خلاصہ الحساب منطق کی دقائق کی تکمیل کے لئے حمد اللہ و قاضی مبارک افتاء کی مشق کے لئے مشق افتاء اور اصول کے لئے رسم المفتی معقولات و ترجیحات کے لئے درمختار اصول فقہ کی تکمیل اور تفصیل دلائل اصول اور تنقیح و توضیح تام کے لئے توضیح تلویح و مسلم الثبوت ہو کر تمام نصاب ختم ہو جاتا ہے۔

اب ذرا آپ غور سے دیکھئے کہ جس قدر علوم کی ضرورت تھی یا جس قدر علوم علم دین کے لئے مفید تھے ان کی سادہ مسائل کی پھر مختصر دلائل کی۔ پھر مفصل دلائل کی تنقیح شدہ کتابیں پہلے سہل سہل پھر درجہ بدرجہ دقیق

و مشکل اور دقیق و مشکل کے لئے دوسرے علوم کی جس قدر استعداد کی ضرورت ہے اس کے بعد ان کو رکھنا اور نہایت سہولت سے انتہائی مدارج پر قابلیت کو پہنچانا کیسی عمدہ ترتیب کے ساتھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے۔

اور اس نصاب میں برکات اس کی بھی ہیں کہ بہت مصنفین اہل اللہ ہیں جن کا ہر لفظ انوار میں گھرا ہوا ہے اور پھر فن کے ماہر و مجتہد۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس نصاب کو پوری طرح رغبت و شوق اور کافی محنت سے حاصل کر لیتا ہے پھر تقویٰ و طہارت سے اس کے باطنی جز کو بھی پورا کر لیتا ہے وہ دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتا ہے وہ گدائی سے لے کر بادشاہی تک ہر کام کا اہل ہوتا ہے بشرطیکہ دین کی خدمت پر دوسری کسی خدمت کو ترجیح دیدے مگر کامل سے ایسا ہوتا نہیں۔

جو نقص دینی یا علم دین کا آپ محسوس کر رہے ہیں وہ اوپر کے ذکر کردہ موانع کی وجہ سے نصاب و نظام کی پوری طرح تکمیل نہ ہونے سے واقع ہوتی ہیں اصلاح کی صورت اس کی پوری طرح تکمیل کرانا ہے پھر آپ دیکھیں گے کہ ہر شخص غزالی و رازی جنید و شبلی یا قریب زمانہ کا شاہ عبدالعزیز و شاہ ولی اللہ یا کم از کم عصر حاضر کا شیخ الہند و حکیم الامت ثابت ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جو بھی اس علم دین کے معیاری درجہ پر کامل یا اسکے قریب قریب کوئی عالم باعمل جامع ظاہر و باطن کامل علم و عمل والا حق و تحقیق سے بہرہ مند پاک و ہند یا بیرون ہند میں ملے گا وہ آپ کو اسی

نصاب و نظام کا پرورده ملے گا۔ ورنہ پھر یا علم میں کمزور ہوگا یا سطحیات واغلاط میں مبتلا ہوگا یا جادۂ حق سے ہٹا ہوا یا تحقیقات میں کمزور ہوگا جو کمال اس نصاب کی تکمیل کا ہے وہ دوسروں کو میسر ہی نہیں کہ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ؛ ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن کہ ایک ہاتھ پر شریعت کا جام ایک ہاتھ پر عشق کا گہن ہر ہوس والا یہ کھیل نہیں جانتا پھر بھی کسی ایک دو کتاب میں تجربہ کار لوگ جو دن رات اسی تجربہ میں لگے ہوئے ہیں اگر ترمیم مناسب سمجھتے ہیں ترمیم کر لیتے ہیں۔ لیکن بہت تعجب کی بات ہے کہ ترمیم پر زور دینے والے وہ لوگ ہیں جن کو درس و تدریس کا مشغلہ حاصل نہیں اور ترمیم بھی اس قسم کی کہ جس سے اصل مقصود ہی غائب ہو جائے۔ نہ اسلامیت و دینداری اہل علم میں رہے نہ پھر اسلام پھیلے اور جو اسلام رہ گیا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

فارسی

فارسی زبان کا حاصل کرنا نہ فرض عین علم کے لئے ضروری ہے نہ فرض کفایہ یعنی تفقہ فی الدین کے لئے البتہ علوم مذکورہ بالا کی ابتدائی کتابیں فارسی زبان میں ہیں ان کے اس قدر فارسی حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ طالب علم ان کتابوں کو سمجھ سکے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی کل کتابوں کو درس سے حذف کر دیا جائے اور ان کی جگہ وہ کتابیں رکھی

جائیں جن میں اُردو میں یہ علوم ہوں اور ایسے ہی ہر ہر جگہ مادری زبان میں ہوں۔ اگر ایسی کتابیں موجود نہیں تو تصنیف کرائی جا سکتی ہیں مگر اول تو بقیہ کتب نصاب کی ہر جگہ یکسانیت کی وجہ سے مناسب یہ ہے۔ کہ ابتدائی حصّہ بھی یکساں رہے اگر مادری زبان میں کیا گیا تو ہر زبان میں الگ الگ کتابیں درکار ہوں گی دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں لکھی جائیں گی۔ دوسرے فارسی زبان نہایت مختصر زبان ہے اس کے بھی اصول و قواعد مدون ہو چکے ہیں۔ اس کو حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ اور بہت سی باتوں میں عربی کے شریک ہے بلکہ فارسی کتابوں میں اکثر عربی الفاظ و محاورات رائج ہیں اور بہ نسبت اُردو وغیرہ کے بندشوں اور دیگر استعمالات میں عربی سے زیادہ مشابہ ہے اس کے حصول سے عربی سے مناسبت اور اس میں سہولت ہوتی ہے تیسرے چونکہ فارسی زبان اسلامی سلطنت میں حکومت کی زبان رہ چکی ہے اس لئے اس میں بہت سے علوم و معارف کا بہترین ذخیرہ ہے اس کے ترک سے وہ سب ذخیرہ ترک ہوتا ہے اس وقت تو معمولی توجہ سے وہ سب کارآمد ہو سکتا ہے ورنہ فارسی دنیا سے اُٹھتی جا رہی ہے تو یہ سب کتابیں ناقابل استفادہ ہو جائیں گی اور مسلمانوں کے بہت سے علمی خزانے ضائع ہو جائیں گے۔

نصاب کا باطنی جزء

جس تفقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ اور مہارت کاملہ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت شریف میں حکم دیا ہے۔ اس کے لئے صرف یہ علوم اور یہ نصاب پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ باطنی طریقہ پر بھی دین کی سمجھ پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ نہایت تَفَقُّہ کا صیغہ ہے جس کا خاصہ بہت مشقت کے ساتھ سمجھ حاصل نہیں۔ خوب محنت و مشقت سے سمجھ پیدا کرنا ہے جو ظاہری علوم سے تو اس طرح ہوگی۔ جس طرح اوپر عرض کیا گیا اور پھر باطنی علوم سے اس کی بھی تکمیل ہوگی اور نور باطن بھی عطا ہوگا۔ لہذا عالم دین بننے کے لئے بچپن سے نیک صحبت کی ضرورت ہے بچوں کے والدین کو ہمیشہ یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے اور اہل مدارس کو مدرسوں کے لئے ان معلمین کا انتخاب کرنا چاہیئے جو صاحب نسبت صاحب باطن ذاکر شاغل ہوں اگر سب مدارس ایسے نہ ہوں تو اکثر ورنہ کچھ تو ضروری ہیں اور باقی بھی نہایت متقی پابند شرع ہوں اگر ایک بھی تقویٰ سے ہٹا ہوا ہوگا تو وہ سب کو تباہ کردے گا۔ ایک من پانی کو ایک قطرہ پیشاب ناپاک کردیتا ہے تمام بزرگوں کی صحبت کو اس ایک کا فسق کافور کردے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

پھر طلباء کے پابند شرع ہونے کی پوری نگرانی کرنے کی ضرورت

ہے تاکہ ان کے علوم تقوی کے سایہ میں بڑھیں اور جیسے حضورؐ کا ارشاد ہے من عمل بما علم اورثہ اللہ علم ما لم یعلم۔ (جو عمل کریگا اپنے سیکھے ہوئے پر اللہ تعالےٰ اس کو وہ علوم دیں گے جو وہ نہیں جانتا) ان کے علوم تحصیلی علوم لدنیہ سے مشرف ہو کر کمال حاصل کریں گے اساتذہ و منتظمین خلوص نیت کی تلقین فرماتے رہا کریں تاکہ خلوص کامل پیدا ہو کر علوم کا کمال بھی حاصل ہو۔ بغداد میں ہارون رشید نے جب مدرسہ نظامیہ جاری کیا جس کی طرف یہ درس نظامی آج تک منسوب ہے۔ تو ایک دن مدرسہ کے معائنہ کے لئے آیا طلبہ سے پوچھا تم کیوں پڑھتے ہو کسی نے کہا میرا باپ مدرس ہے میں بھی مدرس بنوں گا۔ محتسب کے بیٹے نے محتسب قاضی و مفتی کے بیٹوں نے قاضی و مفتی بننے کو بتایا۔ امام غزالی بھی طالب علم تھے انھوں نے جواب دیا کہ اپنا دین درست کرنے کے لئے اور اگر خدا نے توفیق دی تو دوسروں کا دین درست کرنے کے لئے۔ ہارون رشید نے کہا اگر یہ طالب علم نہ ہوتا تو میں مدرسے کو بعجلت بند کر دیتا۔ ان لوگوں نے تو اس کو دنیوی مدرسہ بنا لیا تھا۔ اس لئے نیت درست کرنے کی ضروری ہے اور حضور کا ارشاد ہے من اخلص للہ اربعین صباحا ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ الی لسانہ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۵۴ (جو شخص چالیس دن اللہ کے لئے اخلاص کرے گا۔ اس کے دل سے زبان تک علم کے چشمے ظاہر ہو جائیں گے)

تمام طلباء کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنی اصلاح نفس اور تزکیہ

نام کی کوشش کریں۔ اور کسی محقق شیخ سے تعلق پیدا کریں تاکہ ان کے اخلاق اسلامی اخلاق ہو جائیں۔ تقویٰ و صلاحیت پیدا ہو جائے بُری عادتیں چھوٹ جائیں۔

اور تزکیہ نفس جبکہ وظائف و نوافل طویلہ کے ساتھ نہ ہو طلب علم کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اس کے نور باطن سے علم منجلی ہو جائے گا ظاہری و باطنی دونوں نصابوں کے جمع کرنے سے کامل تفقہ حاصل ہوتا ہے۔

لہذا یہ دونوں نصاب ضروری ہیں ورنہ عالم تو شیطان بھی ہے اور عربی کے ماہر وہ کفار بھی ہیں جو عرب میں رہتے ہیں علم محض اور شئے ہے اور علم دین اور شئے۔

پاکستانی و ہندوستانی مدارس کی فضیلت

ڈاکٹر شیخ عبدالقادر مدیر المدارس الطلبیۃ بحلب کی تقریر کا خلاصہ آپ نے پڑھا ہے دنیا بھر کے سیاحوں سے دریافت کیجئے کہ ممالک اسلامیہ یا اور مسلمانوں کی آبادیوں میں بھی ایسے کثرت کے ساتھ متقی عالم دیکھے ہیں جو پچھلے سالوں میں ہندوستان میں ہوئے ہیں۔ جب آپ کو اس کا جواب نفی میں ملے اور امید یہی ہے کہ نفی ہی ملے گا تو اب اس پر غور کرنا ہے کہ ان مدارس میں وہ کیا کام ہے جو ممالک اسلامیہ میں بھی نہیں۔ جس سے یہ ان کے مدارسوں سے فوقیت لے گئے ہیں تو وہ وجہ یہی ہے کہ ہندو پاکستان کے مدارس کا علم علم محض نہیں ہے علم و عمل شریعت

طریقت کا جامع ہے۔ جب تک یہ جامعیت رہے گی اہل علم علمائے دین ہوں گے ورنہ علمائے دنیا کو نام علمائے دین کردیں ہمارے مدارس دینیہ کا مقصد خلوص کے ساتھ مجاہدات و مشقتیں اٹھا اٹھا کر بقاء دین و بقاء دینیات و اشاعت دین کرنا ہے اور دوسرے ممالک میں ان کے ساتھ دنیا کے کام اور دنیوی ترقیات بھی ہیں اس خلوص کے فرق سے جو لوگ یہاں کامل عالم ہو جائیں گے وہ دوسری جگہ کے علماء سے علم و تقویٰ میں۔ افضل ثابت ہوں گے جیسا کہ عام کی شہادتیں بھی ہیں لیکن آج کل جب سے تحریکات کا دور شروع ہوا ہے مدارس میں انقلاب ہو گیا ہے ورنہ پہلے بہت سے علمائے دین بنتے تھے اور اب شاذ و نادر اب تو لیڈر، اڈیٹر، شاعر مقرر بننے کا شوق ہوتا ہے۔

مدارس سے معیاری عالم سب کیوں نہیں بنتے

مدارس دینیہ کا مقصود معیار مذکور کے موافق عالم بنانا تھا مگر اس معیار پر کامل اترنے والے عالم چند انگلیوں پر گنے جانے والے ہیں۔ حالانکہ مدارس کی کثرت بھی ہے طلبہ کی بھی کثرت ہے۔ منتظمین بھی پرخلوص ہیں تو یہ بات بے شک صحیح ہے لیکن زمانہ کے انقلابات نے کچھ ایسی مشکلات پیدا کر دی ہیں کہ باوجود کوشش بلیغ کے بہت کم کم ایسے حضرات نکل سکے ہیں جیسے ہونے چاہئیں۔ بات یہ ہے کہ ایک طرف کوششیں ہوں۔ دوسری طرف موانع اس کشمکش میں جس قدر بھی کام ہو سکتا تھا وہ ہو رہا ہے

اگر موجودہ موانع نہ ہوتے تو اسلاف کی طرح آج بھی نتائج خاطر خواہ ملتے۔

مثلاً یہ کہ۔

۱۔ عالم دین اور وارث انبیاء ہونے کے لئے جس زبردست قابلیت کے پیدا کرلے کی ضرورت ہے اس کا اجمالی مگر کافی نقشہ اور نمونے آپ اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس قدر زبردست قابلیت کے واسطے کس قدر زبردست ذہن حافظہ فہم ذکاوت اور عقل کی ضرورت ہے ظاہر ہے اب یہ چیزیں خاندانوں کے اور ویسے تفاوتات سے بھی متفاوت ہوتی ہیں اب یہ ہر مسلمانوں کا احساس ہے کہ عالی خاندان اپنی اولاد کو کالج میں بھیجیں گے اور اگر یہاں بھیجتے بھی ہیں تو علم دین کے لئے واسطے ایسے کو تجویز فرمائیں گے جو ان کے نزدیک نکما ہو کالج میں نہ پڑھ سکتا ہو اب کہ ایسے منتخب افراد کو مدرسوں میں جمع کیا جاتا ہے تو اہل مدارس کا کمال ہے کہ وہ پھر بھی بہت کچھ کارآمد بنا دیتے ہیں۔

۲۔ تعلیم و تربیت یا شوق سے اثر دکھاتی ہے یا تنبیہ سے مگر تنبیہ کا اثر اگر ہو سکتا تھا تو چھوٹے بچوں پر لیکن نہ اب اُن پر ہے۔ نہ بڑوں پر اور شوق پہلے سے تو ہوتا نہیں صرف ماں باپ کے کہنے سے شروع کرتے ہیں یہاں شوق پیدا کرایا جاتا ہے لیکن اس کا باقی رہنا مشکل ہو جاتا ہے اسلئے کہ وہ بھی انسان ہے جب سوچتا ہے میری عمر بھر کی آمدنی ۲۰۰/۲۵ روپیہ سے زائد نہ ہوگی دوسرے بھائی بڑے بڑے عہدوں پر ہوں گے میں پھٹے پرانے لباس میں

رہا کروں گا یہ زرق برق رہیں گے۔ میں تنہا ہوں گا بہ حشم خدم والے ہونگے بیماڑ چھوٹے گھر میں رہوں گا یہ کوٹھی بنگلوں میں رہیں گے پیدل گھومونگا یہ کاروں جہازوں میں اڑینگے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے اس کا تخیل خراب ہو کر سست بن جاتا ہے۔

اب ایثار و اخلاص خدمت دین خدمت قوم اجر و ثواب کی تلقین پر بھی اگر بچہ چھوڑ نہیں بیٹھتا تو سست تو ضرور پڑ جاتا ہے بڑی کوشش سے اس کو لے جانا پڑتا ہے بہت سمجھا سمجھا کر تمہارا مقصود روپیہ کمانا نہیں عزت بڑھانا نہیں تم نے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں گویا وقف کر دیا ہے اسکے بندوں کی دینی خدمت کرنا خدا کے دین کی حفاظت کرنا اور اپنی اور ان سب کی عاقبت سنوارنا ہے چاہے فاقے ہوں یا مصیبتیں آئیں کچھ ہو تم کو مشقتیں اٹھانی ہیں گالیاں کھانی ہیں ذلتیں برداشت کرنی ہیں، راتوں کی نیند کھونی ہے بھوک پیاس کی شدت جھیلنی ہے فاقے کرنے ہیں مگر دین کی اشاعت میں لگنا ہے۔ قید و بند و دل روسن ضرب و حرب تک تیار رہنا ہے اور خدا کے دین کو جان پر کھیل کھیل کر بچانا اور پہنچانا ہے تم سب دنیا کو عیش و آرام میں دیکھو گے روپیہ اور دولت سے کھیلتے دیکھو گے تجارت زراعت صنعت ملازمت کے کمالات پر دیکھو گے تم خود بھی اس درجہ پر ہو سکتے تھے مگر خدا کے دین کے لئے مسلمانوں کی دینی حفاظت کے لئے تم کو ان سب کی قربانی کرنا ہے تم کو ابتلا

مجسم بننا ہے اور جن کی خدمت جن کے دین کی حفاظت کے واسطے یہ کرنا ہے۔ ان سے تمہارا شکر گذاریاں کھا کر ذلتیں اُٹھا اُٹھا کر یہ سب قربانیاں کرنی ہیں اور پھر بھی ان سے تکدر نہ رکھنا ہے وہ کم فہم ہیں اپنے ضروری اور نفع کے کاموں سے ناواقف ہیں۔ تم واقف ہو وہ قابل رحم ہیں تم عالی حوصلہ ہو ان کی نظر پیسوں پر ہے تمہاری نظر عالی ہے وہ وہی ہیں تم تمہی ہو غرض بہت مشکل سے کوئی کوئی سنبھلتا ہے۔ کیونکہ انسان پھر انسان ہے۔ خصوصاً اعزہ و اقربا و احباب کی مالی حالتیں مجبور کرتی ہیں کہ ہمسر بنیں اب نفس و شیطان اور بہکانے والوں پر کوئی نہ کوئی غالب ہو جاتا ہے کوئی مغلوب بھی ہو جاتا ہے۔

(۳۱) اول تو پہلے ہی سے ہر نفس کو پابندی شاق ہوتی تھی اب جب سے لیڈران قوم نے آزادی و غلامی لفظوں کو غلط معنی پہنا کر سارے پاکستان و ہندوستان میں یہ فساد برپا کر دیا کہ کوئی کسی کی نہیں سنتا اس وقت سے اول تو بہت سے طلبا جوان سے متاثر ہو چکے ہیں۔ خلاف نفس پابندی شرع کو سننا ہی پسند نہیں کرتے اور سن لیتے ہیں تو اس پابندی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں یا تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں یا آزاد روش رہتے ہیں کچھ اہل مدارس یہ سمجھ کر کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ (جو کل نہ حاصل ہو سکے، تو اُسے بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہیئے) کچھ نرم ہو گئے ہیں کہ اگر کام میں لگے رہے آخر تک نباہ گئے تو یہ لوگ بے دینی اور گمراہی سے تو بچیں گے گو عالم کامل نہ ہو سکیں گے اور بعض

مدارس لیسے لوگوں کو خارج کردیتے ہیں چاہے کہیں اور جائیں یا کچھ کریں وُہ ناقص رکھ کر خود کو اور کام کو بدنام نہیں کرنا چاہتے۔

(۴) نفس وشیطان ہر عبارت میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں طلب علم دین ایسی عبادت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرشتے طالب علم دین کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں مچھلیاں دریاؤں میں دعائیں کرتی ہیں۔ طلب علم میں فوت ہونے والے کو انبیاء سے ایک درجہ کم تک ملے گا۔ اور بہت بہت فضائل حدیث میں ہیں اس لئے وہ اس میں وساوس سے کب چوکتے ہیں۔ کسی کو لیڈرانہ جاہ وحشم کی طرف مائل کرکے سیاسیات میں کسی کو صنعت وحرفت کی طرف مائل کرتے کسی کو طب کی طرف کسی کو شاعری اور کسی کو انگریزی کی طرف مائل کردیتے ہیں۔

علوم دین جس معیار پر ہونا چاہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے انتہائی محنت انتہائی یکسوئی اور انتہائی خلوص کی ضرورت ہے اوّل تو صرف توجہ کے ہٹ جانے سے ہی خلل پڑتا ہے اور پھر جب دوسری چیزیں نفس کی رغبت کی چیزیں ہوں تو آدمی آدمی ہی ہے کتنا ہی نیک ماحول میں گھرا ہوا ہو توجہ اُن چیزوں کی طرف بڑھ جاتی ہے ادھر سے ہٹنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علوم دین کے کام کا نہیں رہتا یا چھوڑ بیٹھتا ہے اور دوسرے مشاغل میں لگ جاتا ہے یا غفلت وبے توجہی کے ساتھ علوم میں وقت گزار کر نہ ادھر کا رہتا ہے نہ اُدھر کا۔

اس لئے ہمارے تمام بزرگوں نے اس کو سخت ترین مضر سمجھا ہے

کہ طالب علم کو علم دین کے ساتھ کسی ایسی چیز کی طرف متوجہ ہونے دیا جائے
جو ذرا سی بھی دلچسپی رکھتی ہو حتیٰ کہ صحیح تصوف جس سے دین کی پختگی ہوتی ہے۔
اس کے بھی اُن کاموں سے روکا ہے۔ جن میں وقت لگتا ہے کہ یہ بھی علم کے
لئے مضر ہوگا اور یہ عقل و تجربہ دونوں کے مطابق ہے کہ تحصیل علوم دین جو
ایک زبردست مجاہدہ ہے دوسرا تخیل بھی اس کے لئے ایسا مضر ہوگا کہ
جس مقصد کے لئے اس نے کام شروع کیا تھا وہ فوت ہو جائے گا۔

ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو انگریزی یا دوسرے مذکورہ کام میں
لگ کر اس کام سے بے بہرہ ہو گئے۔ زبان سے یہ کہہ دینا آسان ہے کہ
دونوں کام ہو جائیں گے مگر آگ چھونس جمع نہیں ہوتے نفس اُس طرف
سے ہٹا لینے میں جس کے لئے وہ ہر وقت کوشش میں لگا رہتا تھا کامیاب
ہو جاتا ہے بلکہ بعد فراغ بھی اگر غیر دین کام میں لگتا ہے تو اس طرف سے
توجہ ہٹ جاتی ہے۔ مولوی فاضل منشی فاضل کے امتحانات کو بھی ہمارے
بزرگوں نے اسی لئے پسند نہیں کیا کہ پھر بہت سے لوگ اسکولوں وغیرہ
کی تلاش۔ پھر وہاں کے کام میں لگ کر اس نیک ماحول نیک صحبت
اور علوم کے روز افزوں کمال سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کی بھی بہت
مثالیں سب کو معلوم ہیں گو شاذ و نادر۔ کوئی کوئی پھر بھی کام کا رہ جاتا ہے
مگر زیادہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں۔
بعض ناتجربہ کار یا ایسے لوگ جن کو دین و علوم دین کی اہمیت یا یہ دشوار
گزار گھاٹیاں معلوم نہیں ہیں مشورہ دیتے ہیں کہ انگریزی داخل کرو۔

صنعت وحرفت سکھاؤ۔ تجارت کراؤ۔ امتحانات پاس کراؤ۔ زراعت میں لگاؤ وغیرہ وغیرہ بلکہ بعض لوگ تو اس پر زور دیا کرتے ہیں کہ گورنمنٹ سے امداد لو جس سے وہ نصاب و نظام کو صحیح معیار پر نہ چلنے دے اور اس طرح وہ ملک بھر میں کوئی عالم دین جس معیار پر ہونا چاہیئے۔ اس پر نہ بننے دے۔ لیکن اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یہ کام جو انتہائی قابلیت کے فراہم کرنے اور پھر تمام ملک و قوم کے لئے انتہائی سخت ضرورت کا تھا توجہ ہٹ جانے اور نفس وشیطان کی شرارت سے دلچسپی اور پیسوں کے کام میں منہمک اور اصل کام سے بے توجہ یا کم توجہ ہو جانے پر جو خلل واقع ہوگا وہ تمام عمر کا نقص اور تمام ملک و قوم کے لئے خطرات کا سبب ہوگا۔ ایسے مشوروں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح انگریزی کالجوں سے مسلمانوں کی اسلامیت پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے۔ اسی طرح ان دینی مدارس پر ڈاکہ ڈالا جائے کہ بقاء اسلام کے اسباب منقطع ہو کر اسلام ختم ہو جائے اب کالج کا فتنہ دینی مدرسوں پر بھی آنے لگا جس کا نتیجہ بقول اکبر یہ ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان مدارس میں ایسے مشورے دینا ان کے مقصد سے ان کو ہٹا دینا ہے اور علم دین بلکہ اسلام و اسلامیات کو دنیا سے محو کرنے کے مترادف ہے۔ چونکہ اہل مدارس کو ان دشوار گذار راہوں سے بچا بچا کر لے جانا ہے اور سب جانتے ہیں کہ برائی کا اثر جلد اور نیکی کا دیر میں ہوتا ہے ان تباہ کن

تجویزوں کا اثر طلبہ پر جلد ہوتا ہے اور نیک صلاح کا دیر ہیں خصوصاً جبکہ ہر وقت، نفس و شیطان بھی گھات میں ہوں اس لئے جو لوگ ان کی بھلائی چاہتے ہیں یا دین کی بقا و اشاعت کے واقعی ذرائع پیدا ہونے کو چاہتے ہیں تو ان کو تو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ کسی دینوی یا نیم دینوی کام کی طرف ان کی توجہ از خود بھی جانے لگے تو اس کو ہٹا دیں اور علوم و اعمال و جذبہ و جذبہ ایثار و خدمت اور ساری عمر کو دین و دینیات کی خدمت میں وقف رکھنے کی ترغیب دیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو خاموش ہی رہیں ۔ کہ

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

ورنہ پھر یہ تجاویز ان کی گردنوں پر چھری کا کام ہی نہیں دیں گی۔ اسلام و اسلامیات کے پاؤں پر کلہاڑی ثابت ہونگی

(۵) ماحول اور صحبت کا اثر بے انتہا شدید ہوتا ہے ۔ اور بری صحبت اور برے ماحول کا بہت سخت بہت جلد اور بہت گہرا اثر پڑتا ہے ۔ مدارس دینیہ میں مدرسین منتظمین متقی نیک کردار ایک رکھے جاتے ہیں تا کہ طلبہ پر نیک اثر پڑے مگر اس طرح چوبیں گھنٹہ کوئی شخص پنجرے میں بند نہیں رکھا جا سکتا کہ کسی سے مل ہی نہ سکے پھر اس کے اعزاو اقربا میں بہت لوگ آزاد منش ہوتے ہیں ۔ ان کا تو اثر بہت ہی زیادہ پڑتا ہے۔ اور وہ ایک دو منٹ میں نیک صحبت کے اثرات کو قلع قمع کر دیتا ہے ۔ کیونکہ کپڑا دھلتا ہے دیر میں اور داغدار ہو جاتا ہے ایک منٹ میں اور اس طرح اب تک کی تمام کوششیں ایک دم سے ناکام ہو جاتی ہیں پھر

کوشش ہوتی ہے۔ پھر ہوتی ہے۔ کہیں کہیں کامیاب اور کہیں کہیں ناکام بھی رہ جاتی ہے اس لئے عملی نقص بھی رہ جاتا ہے۔

(۲۱) طالبان علم بھی آخر آدمی ہیں ان کے بھی نفس ہے اور عبادت کے مشغلہ کی وجہ سے نفس بھی بہت عیار۔ اس لئے آج کل کے سیاسی اکھاڑے کھیل تماشے ہلڑ بازی شور شغب سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں اور اہل مدارس کس کس اثر کو ان سے ہٹائیں طلب علوم دین کا یہ نازک طریق جو کامل یکسوئی و تندہی کو چاہتا ہے ان مسلسل حملوں سے مجروح ہوتا رہتا ہے۔ مصلح ایک مدرسہ اور مفسد سارا عالم آخر کہاں تک مقابلہ چلے میں تو سمجھتا ہوں کہ مدرسہ والوں کا کمال ہے کہ اس پر آشوب زمانہ میں اس قدر کام ہو رہا ہے اور ان سیاسی دشمنان علم کا ظلم دیکھئے کہ خود مدارس میں آ آ کر ان کو بھڑکاتے ہیں۔ دھوکا یوں دیتے ہیں کہ سیاست دین سے الگ نہیں اس لئے اس کا کام وقتی ہونے کی وجہ سے تمہارے کام سے مقدم ہے۔

مگر اس میں دوہرا دھوکہ ہے جو سیاست دین کا جز ہے وہ ملک شہر اور گھر کا انتظام ہے، ، شرعی قوانین کے تحت اور کیا جو جا رہا ہے شور شغب اسٹرائیک بھوک ہڑتال مقابلہ توڑ پھوڑ یہ بلا گناہ جز نہیں دوسرے علم سیاست اور شے ہے اور عمل اور شے طالب علم۔ علم سیاسیات شرعیہ حاصل کرتے ہیں اور عمل تو جب ان کے سپرد کام ہوگا اسوقت انکے ذمہ ہوگا۔ اس وقت عمل کو ضروری اور تمام علوم سے مقدم قرار دینا

محض دھوکا ہے اور اس طرح اس علمی تیاری میں رخنہ ڈالنا ہے جس کی ملک و ملت کو بہت ضرورت ہے اور ان مدرسوں کا کام ہے۔

(۷) انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جانے والے طلبہ کے پیش نظر فوری مالیات کی ترقی نہیں ہے۔ دینی و اخروی اجر و ثواب کی ترقیاں ہیں یہ چیز بھی بہت زیادہ حوصلہ افزا ہونی چاہیئے اور مدارس میں اس کی کوشش بھی ہوتی ہے مگر اس میں بھی مدارس کی کوشش کو دوسروں کی مخالفت اور عام لوگوں کی مالیات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش سب کی داستانیں ان کے کانوں میں پہنچتی ہیں ان سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور طلبہ کو فقر و تنگی کے طعنے ان کو بد دل کرتے رہتے ہیں۔

(۸) اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو یہ بھی خیال رہتا ہے کہ اگر ہم امتحانات میں فیل ہوگئے تو ہمارا اس قدر روپیہ جو اس سال خرچ ہوا ہے ضائع ہوا اور آئندہ سال اسی قدر اور خرچ ہوگا اس لئے وہ محنت کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر عربی علوم میں کون طلبہ بھیجے جاتے ہیں؟ جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہوتا۔ جن کے والدین انگریزی کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے اب اگر مدارس میں طلبہ کو وظائف نہ دیے جائیں۔ تو مدرسے بالکل خالی نظر آئیں گے کہ ذی ثروت تو انگریزی میں رہیں گے اور غریب مزدوروں میں رہ نہ پھر کوئی دین کا عالم ہوسکے گا نہ علم دین اور اسلام و اسلامیات کے بقاء کا سامان ہوسکے گا۔ اس مجبوری سے وظائف دینا ناگزیر ہے تو اب ان کو وہ سبب جو محنت کرلینے کا تھا حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اب سوائے

اس کے کہ اہل مدارس خلوص اور شوق پیدا کر کے کچھ لوگوں سے کام لے لیں اور کیا صورت ہے تو پھر لامحالہ جس قدر محنت کی ضرورت تھی استعداد شاذو نادر ملتی ہے۔ اسی طرح اگر بدافعالی یا کم محنت یا بدشوق کی وجہ سے یا بار بار فیل ہونے کی وجہ سے مدرسہ سے اخراج کر دیا جاتا ہے تو وہ کبھی دوسرے مدرسہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ بدعملی وغیرہ بسبب اخراج ہو کر محروم کر دیا جاوے گا۔ چونکہ مدارس زیر حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ایک حکم کے تابع نہیں۔ اس لئے ایک کا خارج شدہ دوسرے میں سہولت سے داخل ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے مدرسے بھی اس خیال سے لیتے ہیں کہ پھر سلسلہ چھوڑ کر بالکل ہی محروم نہ ہو جائے۔ اور نفس وشیطان قابو پا کر محروم ہی کرا دیں۔ اور ممکن ہے اس سزا کے بعد وہ اب ایسی حرکت نہ کرے کہ پھر یہاں سے بھی نکالے جانے کا خدشہ رہے گا۔ تو اس کے بعد اس کی اپنی اصلاح کی امید ہو جاتی ہے۔ بہرحال اول مدرسہ یہیں۔ یہ خوف بھی محنت کا سبب نہیں بنتا۔ کم محنت کے سبب نقص رہنا لازمی ہے۔

(۹) جب سے ملک میں انگریزی اسکولوں اور انگریزی دانوں کی کثرت ہوئی ہے چونکہ بچپن سے وہی طرز تعلیم ذہن نشین ہوتا ہے وہ کتنا ہی غلط اور مہمل کیوں نہ ہو مگر دل نشین ہے اور اس پر کبھی نہ خود غور کر لینے کا اتفاق ہو سکتا ہے نہ دوسروں کا بیان کرنا سمجھ میں آسکتا ہے کہ دل میں جمی ہوئی چیز کا نقص بہت مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس کا حسن ہی حسن نظر آتا ہے۔

اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو طرز تعلیم اسکولوں کا ہے وہی بہترین ہے۔ اس بنا پر تقریروں تحریروں جلسوں میں کانفرنسوں میں عربی مدارس کے طرز تعلیم پر حرف گیری کرتے رہتے ہیں اور علمائے دین اپنے کام میں لگنے کو ان کے جوابات سے افضل سمجھتے تھے۔ وقتاً فوقتاً جوابات بھی دیتے تھے مگر کثرت اور عوام کی سادہ لوحی اور زمانہ کے انقلاب نے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ اب طلبہ علوم کو بھی ان کی تقریروں سے وسواس پیدا ہونے لگے اور جو شوق علم سے ہونا چاہیئے تھا وہ اس دھوکہ بازی و ملمع کاری سے رفع ہونے لگا نفس و شیطان کو ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔

حالانکہ انگریزی اسکولوں کی تعلیم بالکل بے اصولی ہے بڑا وقت لگتا ہے کام کم ہوتا ہے اور بالکل ناقص۔ کیونکہ وہاں ہجے اور لفظوں کو رٹایا جاتا ہے۔ جب تک دماغ میں ایک ایک لفظ کا تلفظ ہجے حروف یاد نہ رہیں بچہ کوئی عبارت حل نہیں کرسکتا اسی لئے وہاں یہ ضروری ہے کہ بولتا رہے تاکہ ہر ہر لفظ کے حروف ہجے اور تلفظ زبان پر رہیں۔ اور جہاں کچھ عرصہ تک کسی کو بولنے پڑھنے کا اتفاق نہ ہوسکا وہ بالکل جاہل بن کر رہ جاتا ہے۔ گویا یہ عارضی کام ہوا وقت بہت لگا رٹنا بہت پڑا دماغ پر بہت بار ہوا۔ یہاں تک کہ بعض بچے بالکل پاگل ہوہو گئے باوجود اس کے کہ رئیسوں کے منتخب بچے اچھے دل دماغ والے اچھی غذائیں اچھی آب و ہوا اور اچھے ماحول کے پلے ہوئے تھے مگر دماغ کھو بیٹھتے ہیں۔ اور آگے چل کر محض ترجمہ ترجمہ بتایا جاتا ہے۔ کسی کسی مضمون پر استاد نے ایک طبعی

سی تقریر کردی۔ سب جانتے ہیں کہ تقریر پوری محفوظ نہیں رہا کرتی بہت کم حصّہ رہ جاتا ہے باقی غائب ہو جاتی ہے۔ آپ نے سینکڑوں تقریریں سنی ہوں گی بتایئے کونسی آپ کو کتنی یاد ہے۔ یہ تعلیم ہے یا خانہ پُری مگر سارے اسکولوں میں یہی ہے۔

ادھر یہاں دینی مدرسوں میں دیکھئے کہ اصولی تعلیم ہوتی ہے پہلے ایک قاعدہ پڑھایا بتایا جاتا ہے بہت سی مثالوں سے اس کو ذہن نشین کرایا جاتا پھر اب اس جیسے ہزاروں لفظ ایکدم اس کو آگئے اور دماغ پر کوئی بار نہ ہوا۔ پھر دوسرا تیسرا وغیرہ۔ اصول یاد کرانے اور ان کو جاری کرانے سے یہ اس قدر وسیع زبان کہ دنیا بھر میں اتنی وسیع دوسری زبان نہ ہوگی۔ اصول سے قابو میں آجاتی ہے نہ رٹنا زیادہ پڑتا ہے نہ ہر وقت بولنا۔ بس قاعدے ذہن نشین ہوئے اور ساری زبان پانی بن گئی۔ اگر مدتوں کبھی لکھنے پڑھنے بولنے کا اتفاق نہ ہو پائے تب بھی کچھ نہ کچھ حل کرے گا۔

یہاں اصول سے وہ قابلیت پیدا کرائی جاتی ہے کہ ہر عبارت کو طالب علم خود حل کرے اس لئے انتہائی کتابوں میں ترجمہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی ابتدا اور نہ وسط میں ترجمے ہوتے ہیں وہ بھی کم ذہن لوگوں کی وجہ سے مگر صرف ترجمہ کو کافی نہیں قرار دیا جاتا جو جو امکانی احتمالات وشبہات ہو سکتے ہیں سب کو بیان کر کے جوابات سے تسلی کرائی جاتی ہے اور ہر بات کو اصول وقواعد کے تحت لاکر سوال جواب ہوتے ہیں۔ جن مسائل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہوتا اپنے مذہب کی ترجیح کے دلائل اور اعتراضات کے جوابات ہوتے ہیں۔ باطل اور گمراہ

فرقوں کے دلائل وجوابات ہوتے ہیں۔ ہر چیز اصل کتاب سامنے رہ کر اس کی مدد سے دکھا بتا کر سکھائی جاتی ہے تاکہ خالی اس پہ مدار نہ رہے بلکہ جب چاہیں خود بھی ہر وقت کتاب سے نکال سکیں جیسے اس وقت ان کو دکھائی جاتی ہے۔ انگریزی جاننے والے چونکہ اُسی بے اصولی طریق تعلیم کے خوگر ہوتے ہیں وہ اس کو بھی بے اصولی اور بے ڈھنگی بنانے کی رائے دیا کرتے ہیں۔ مگر تجربہ کاروں کی نظر میں وہ طریقہ کچھ مفید نہیں ہونا ہاں طلبہ کو سہولت کی وجہ سے شروع میں یہ جہتر باغ بھلا معلوم ہوکر ایک رکاوٹ بن گیا۔ گو بعد میں خود ان کو اسکی قدر معلوم ہو جاتی ہے۔ ہاں وہ مولوی بھی اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ جنہیں پوری تعلیم نہیں ہوتی یا چسکا نہیں لگتا یا حقیقت پر نظر نہیں پہنچتی۔

(۱۰) انگریزی حاصل کرنے والوں کا منشا اپنی مالی حالت بنانا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ہوس بھی دامن گیر ہوئی کہ عام مسلمان انہیں عالم سمجھیں علمائے دین کی طرح ان کی عزت کریں ایسے بیوقوف جب نہ ملے تو پھر ان جاہ طلب لوگوں نے علماء پر اعتراضات کرنے شروع کردیئے اور ناقص یا جامد اہل علم میں جاہل لوگوں کو دیکھ کر کوئی بات قابل اعتراض مل گئی تو سب علماء کو اس سے بدنام کرنا شروع کیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لئے اعتراضات کرنے شروع کئے اپنی جاہ طلبی میں اس قدر پراپیگنڈہ کیا کہ بہت سے غیر انگریزی دان بھی علماء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور علم دین اور دین کی مشغولی کو ذلت کا کام قرار دینے لگے بد دینی روز افزوں ہے تو دینداری کی اہانت بھی روز بروز ہے اس کا حال طلبہ سے کونسا مخفی تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی

توجہ کم بلکہ ہٹنے لگی۔ تلافی کی کوشش کی جاتی ہیں مگر نتیجہ کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ ان اعتراضات کی حقیقت "حقوق العلم" مصنفہ حضرت تھانوی میں ہے۔

(۱۱) زمانہ پُر آشوب ہے ناول افسانے، ڈرامے، سینما، ناٹک، فلم لوازم تہذیب میں شمار ہوتے ہیں ادبی رسائل کے نام سے بے حیائی اور بدمعاشی کے غیر شریفانہ، تعلقی سوز مخرب اخلاق مضامین نظم و نثر میں پیش ہو رہے ہیں بدمعاشیوں کے بہت سے طریقوں کو جزو تہذیب قرار دیا جا چکا ہے کل جن باتوں کا ذکر تک مہذب لوگوں میں جائز نہ تھا آج وہی فخر شمار ہوتی ہیں تصویروں کی طرف التفات رقص و سرود کی مجلسوں کی شرکت کل عیب تھی آج تہذیب ہے وغیرہ وغیرہ۔ انسان میں فطری طریقہ سے دو قوتیں رکھی گئی ہیں ایک ملکی یعنی فرشتوں والی دوسری بہیمی یعنی جانوروں والی ہر مذہب تہذیب شرافت اور انسانیت کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایسے ذرائع مہیا کرے جن سے ملکی قوت طاقت پائے اور بہیمی قوت کمزور ہوجائے۔ جو انسان کا کمال ہے مگر آج کل کی تہذیب بھی عجیب گورکھ دھندا ہے کہ بہیمی قوت کو بھڑکانے کے سامان ے انتظامات اس کا جز ہیں۔ ناول افسانے سینما، ڈرامے، تصویریں مرد و عورت کا اختلاط مخلوط تعلیم عریانی فحاشی سر بازار بے حجابی بلکہ اور انتہا تک پہنچی ہوئی باتیں اور نام سب کا ہے تہذیب۔ اگر عیسائیوں میں ایسی باتیں ہوں تو وہ لامذہبیت اور ان کی غذا سور کا اثر، شراب کا کرشمہ اور حلال ہونے کی پابندی نہ ہونے سے بعید بات نہ تھی۔ تعجب تو مسلمانوں سے ہے صاحب مذہب

غدارسول کے ماننے جاننے والے دوسرے عالم تک دسعت نظر رکھنے والے شریف النفس حلالی پاک غذاوں والے ان کی نظر میں یہ بے تہذیب کیونکر بن گئی۔ پھر طرح طرح کے فیشن طرح طرح کی خورد نوش واستعمالی اشیاء کی چیزیں اور صورتیں بھی رائج ہیں نہ جائز وناجائز کی پرواہ ہے نہ اپنی قوم وغیر قوم کا شعار ہونے کا شعور ہے ایسے زمانہ میں طلبہ علوم بھی انہی انسانوں کی طرح انسان ہیں دن رات ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کو دیکھتے اور ان سے ملتے جلتے بھی ہیں خصوصاً اپنے اعزہ سے آخر پھر ان کے بھی دل ہے نفس ہے جان ہے کس قدر میلان ہوتا ہوگا اور کون ہے جس کو اچھے اچھے کھانے اچھے اچھے مکان اچھے اچھے لباس اچھی اچھی برتنے کی چیزوں کی طرف التفات نہ ہو ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی اپنی ذاتی کوشش سے کچھ اہل مدارس کے اصول وفہمائش وصحبت سے اُن کو اختیاری وغیر اختیاری مجاہدات کرنا پڑتے ہیں اور اہل مدارس کو ان سے یہ مجاہدات کرانے پڑتے ہیں مگر یہ اس قدر اشیاء ہیں جو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور علوم دینیہ سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں حتی کہ بعض طلبہ ان سے متاثر ہو کر بددل ہونے اور شیطان ونفس کے جال میں پھنس کر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر ساری عمر ان علوم سے محروم رہتے ہیں لیکن ایسے بھی بہت سے مردانہ حوصلہ والے نکل آتے ہیں جو اپنے خلوص وتقویٰ اور اجرا خروی کو سامنے رکھ کر مجاہدانہ مقابلہ کر کے تحصیل علوم میں منہمک رہتے ہیں اور بعض بعض۔

"چو گلِ افزوں شود پیلان بلغزند"

کچھ لغزش کر جاتے ہیں اور اپنی اپنی علمی و عملی استعداد میں نقص پیدا کر لیتے ہیں۔

(۱۲۱) ان مدارس میں جو طلبہ عربی درجہ میں ہوتے ہیں اور زیادہ تعداد انہی کی ہوتی ہے وہ کم عمر نہیں نوجوان ہوتے ہیں۔ ان میں امنگ ترنگ۔ جوش حرارت اور کل کے کل ورنہ اکثر پاکدامن ہونے کی وجہ سے قوت و شباب سے بھرپور ہوتے ہیں اور پھر سب ایک وطن کے نہیں ایک مزاج کے نہیں ایک مشرق کا ایک مغرب کا ایسے ایسے افراد کا اجتماع ہے اگر ان میں آپس میں چشمک اور پھر لڑائی کی نوبت آجائے تو کوئی بعید نہیں لیکن ایسے واقعات کم کم پیش آتے ہیں اور جو پیش آتے ہیں وہ اہل مدرسہ کے فیصلہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔ جو مدارس قریب قریب ایک صدی سے کام کر رہے ہیں اور ان میں ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں یہ نوجوان موجود رہتے ہیں۔ سوائے شاذ و نادر کے کبھی آپ نے کوئی واقعہ پولیس سے امداد لینے کا نہ سنا ہوگا اس سے آپ کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اہل مدارس کو حکومت کی کسی قسم کی اعانت یا ہمدردی یا حکومت میں کوئی وقار حاصل نہیں۔ پھر بھی کس خوش اسلوبی سے انتظام انجام دیتے ہیں خصوصاً جبکہ فسادات کا دور دورہ ہو بڑے بڑے متین و سنجیدہ لوگ ڈگمگا جاتے ہوں یہ علمی پہاڑ اپنی جگہ پر نظر آتے ہیں اسلئے کیا بیجا ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ حکومت کا چلانا آسان ہے اور مدارس کا چلانا مشکل ہے کہ جہاں نہ حکومت حاصل نہ فوج نہ پولیس نہ عدالت نہ جبر و تشدد کا کوئی ذریعہ اور موجودین سب نوجوان، جوش و حرارت سے لبریز۔

ایسی تدابیر میں اہل مدارس کا ہی کمال ہے اور ان طلبہ علوم کا ہی کمال ہے کہ اس قدر امن وسکون سے گذارتے ہیں لیکن اس الشباب شعبۃ من الجنون۔ (جوانی دیوانی) کے ان اثرات سے کچھ کچھ فرق علمی مشغلہ میں بھی ضرور پڑتا ہے گو اس کی روک تھام کی بھی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔

یہ خیال بھی ممکن ہے کہ ہر جگہ مقامی طلبہ ہونے ضروری ہیں نہ بیرونی ہوں نہ چشمک کا احتمال ہو تو اول تو مقامی لوگوں کو کم توفیق ہوتی ہے۔ کیونکہ انگریزوں نے اسکولوں، کالجوں کی جو روش مقرر کر دی تھی۔ باوجود اسلامی حکومت اسلامی افسران اسلامی شہروں اور کثرت سے مسلمانوں کے زیر تعلیم ہونے کے وہی طور طریق باقی ہے۔ اور دنیا کے سب کام اور سب ترقیات اور آمدنی کے دروازے دین والوں پہ بند اور انگریزی تعلیم کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ضروریات اور نفس سب کے ساتھ لگا ہے پھر والدین بھی کالجی مزاج کے ہیں تو وہ بچوں کو دینی تعلیم میں نہیں بھیجتے۔ سوائے اس کے کہ جس کے پاس اسکول کی فیس کے پیسوں کی کوئی سبیل نہ ہو سکے۔ یا وہاں کے کام کا نہ ہو سکے یا خود بہت دیندار ہو دوسرا کوئی بھیجتا ہی نہیں۔ پہلے مسلمان بادشاہ ان مدرسوں کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے وہ ہر طرح کے راستے نکالتے تھے اور اسلامی حکومت کو واقعی اسلامی بناتے اور اسلامی قوانین جاری کراتے تھے۔ علمائے دین سے یہ کام لئے جاتے تھے۔ اب تو آیت کے حکم کی تعمیل کے لئے کوئی نیک بندہ ہوگا تعلیم دین کو بھیجے گا اسلئے مقامی غیر مقامی کا اجتماع ضروری ہے۔ مگر مقامی مقامی میں بھی نوجوانی دیوانی کا کرشمہ ظہور پذیر رہتا ہے۔ اسکولوں، کالجوں میں کیا کیا

نہیں ہوتا۔ دوسرے ہی آیت کے لفظ نفر (چلے) سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین میں سفر کر کے جانا زیادہ مفید ہوتا ہے اور تجربہ بھی یہی ہے۔

(۱۳) عالم دین کا درجہ اس کی قابلیت کا مرتبہ اوپر سے معلوم کرنے کے بعد آپ اس کا بھی اندازہ کیجئے کہ ان علوم کے واسطے کس قدر سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے زمانہ کا رنگ جو کچھ ہے آپ کے سامنے ہے ہر شخص آرام طلب راحت کوش ہے اس کا اثر ان میں بھی کچھ نہ کچھ پہنچا ہے۔ اس لئے اس اثر سے بھی کمی ہونا ضروری ہے جس کا نتیجہ نقص ہے۔

(۱۴) یہ تمام محنت مصیبت اور تمام فوائد و نعم۔ راحت و آرام سے علیحدگی کیوں اختیار کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ علوم دینیہ کا وہ درجہ حاصل کر سکے جس سے دین کو پوری طرح سمجھ کر عام مسلمانوں تک پہنچایا جا سکے اور اس طرح ان کے ایمان کی حفاظت کی جائے ان کے اسلام کو ترقی دی جائے مرامیات کو ان کے لئے سہل بنایا جائے۔ اعمال صالحہ کی ترغیب و تسہیل ہو جائے۔ یہ فوائد جیسے کہ آپ متاد مدارس میں مختصر مختصر پڑھ چکے ہیں آپ کو حاصل ہوتے ہی ہیں اور اس طرح ہوتے ہیں کہ آپ کو کوئی خاص کام کرنا نہیں پڑتا بغیر کچھ کئے بہت کچھ دین آپ کو حاصل ہوتا ہے مگر آپ نے ان لوگوں کی اور ان کے اس طرح جان پر کھیل کر کام کرنے کی کیا قدر کی کہ ان کو گالیاں دیں ذلیل کیا حقیر سمجھا اور حقارت کا برتاؤ کیا ان پر طرح طرح کے الزامات و اعتراضات کئے ان سے خود نفرت کرنے لگے اور دوسروں کو نفرت دلانے لگے۔

مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

آپ نے ان کی ساری کوششوں کو ان کے اپنے پیٹ پالنے کا ذریعہ بنا دیا ان کو بھوکی قوم پر بار کے لقب سے یاد کیا، کیوں جناب یہ ہے احسان کا بدلہ احسان مگر کامل خلوص والے پھر بھی آپ کی اس تمام "قدر دانی" کی پرواہ نہیں کرتے اور گو آپ ضروری نہ سمجھیں مگر کم سمجھ کے ضروری نہ سمجھنے سے سمجھدار بھی اس کی بھلائی کا کام ضروری نہ سمجھیں تو یہ اچھا نہیں اس لئے گالیاں سن سن کر ذلتیں برداشت کر کے بھی یہ لوگ آپ کے دین کی حفاظت اور آپ کے دینی خزانوں کی حفاظت میں برابر لگ رہے ہیں لیکن خیال تو کیجئے کہ نوخیز طلبہ پر کیا ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا ہوگا کیا ان کی ہمت ان کی کوشش ان کا حوصلہ ان کا شوق آپ کی ان نوازشوں سے سُست نہیں پڑے گا۔

"مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں"

اگر آپ ان کی کوششوں میں ان کی اعانت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم ایسی باتیں بھی نہ کیجئے کہ جن سے ان کا کام خراب ہو جائے اور ان کا کیا کام آپ کا کام خراب ہو جائے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کی ترقی اسلام و اسلامیات کی ترقی سے ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کا بقا و ترقی اور اسلامیات کی بقاء و ترقی جیسے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے یہی مفہوم ہوتا ہے ایسی جماعتیں بنانے سے ہے۔ اگر آپ ان جماعتوں کی اعانت کرتے ہیں تو اسلام و اسلامیات کے بقاء و ترقی کی اعانت کرنے میں اگر ان کے خلاف کوئی بات کرتے ہیں۔ اسلام و اسلامیات کو منہدم کرنے والا

کی اعانت کرتے ہیں آپ جو لفظ زبان سے نکالیں سوچ کر نکالیں اس کے ذمہ دار آپ ہیں اہل علم ایسی باتوں کا جواب نہیں دیا کرتے نتیجہ آپ کو خود بھگت پڑے گا۔

(۱۵) زمانہ جتنا جتنا گذرتا جاتا ہے تمام قوی جسمانی و دماغی روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہیں اس لئے ان تمام کمالات کے حاصل کرنے میں کچھ کچھ دشواریاں خلقی بھی ہورہی ہیں۔

(۱۶) خلقی کمزوریوں کے ساتھ اگر قوت کی غذائیں اور دوائیں ملتیں تو شاید تلافی ہوسکتی مگر اب کہ اولاً غذائیں کمزور آنے لگی ہیں پھر اہل علم سے لوگوں کی بے اعتنائی اغذیہ موجودہ کو فراہم نہیں ہونے دیتی یہ بھی ایک دشواری ہے۔ اگر غیبی نصرت اُن کی دستگیری نہ کرتی تو کوئی بھی کام کا نہ بن سکتا۔

غرض دسی ایسی مشکلات بہت سی درپیش ہیں جن کی بنا پر بے انتہا کوشش کرکے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا اٹھا کر طلبہ علوم کو علوم میں لگایا جاتا ہے۔ اور بحمد اللہ بعض بعض ایسے بھی پیدا ہوجاتے ہیں جیسے امت اسلامیہ کے لئے ضروری ہیں اگر زمانہ سازگار ہو اور ایسے ایسے سب موانع رفع ہوجائیں تو امید ہے کہ مدارس دینیہ پوری طرح کامیاب ہوجائیں۔

موجودہ کام

اس سے تو کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کے تمام مشہور و غیر مشہور متقی علمائے دین انہی مدارس سے حاصل ہوئے ہیں حضرت

شیخ عبدالحق دہلوی سے لے کر اس وقت کے موجودہ بزرگوں تک جن میں شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ ولی اللہ صاحب اور عہد قریب کے مولینا گنگوہی مولینا نانوتوی مولینا دیوبندی مولینا رائے پوری مولینا سہارنپوری مولینا تھانوی جیسے سب حضرات انہی مدارس سے آپ کو حاصل ہوئے لیکن ہزاروں کی تیاری کا آپ انتظام کریں گے۔ تب ان جیسا ایک دو آپ کو مل سکے گا۔

ہزاروں پھول جب کھل کھل مرجھا جائیں گے پہلے
کہیں تب جا کے کوئی زیب دستار بتاں ہوگا

اگر سارا ہندوستان بالا اتفاق کوشش کرتا۔ کوئی شخص بھی خلاف نہ کرتا پھر سب کی کوشش انتہاک ہوتیں مالیات اور عزت و محنت کی اعانت سے کوئی دقیقہ اُٹھا کر نہ رکھا جاتا اور ایسا صرف ایک عالم بنا سکتا تو بھی ہندوستان کو فخر ہوتا۔ چہ جائیکہ بہت سے مشہور و غیر مشہور بنا دئیے اگر یہ مدارس نہ ہوتے اور ان کا نتیجہ ایسا نہ ہوتا تو آج دنیا میں آپ کو صحیح دین بتانے والا نہ ملتا اور خدا جانے آپ کس گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہوتے۔

کیوں حضرت اگر ان بزرگوں میں سے ایک بھی مقبول بارگاہ الٰہی ہو اور امید ہے کہ یہ سب ہیں تو جس وقت ان کے کمالات کی اعانت کرنے والوں کی فہرست طلب کی جائے گی آپ کا اس وقت کیا جی چاہے گا جس وقت ایک ایک پائی اور ایک ایک لفظ سے اعانت کرنیوالوں

پر رحمت الٰہی متوجہ ہو گی اس وقت آپ کیا سوچیں گے۔ جس وقت مقبولان بارگاہ کے مخالفوں اور موافقوں کی فہرست پیش ہو گی آپ کیا اس وقت اپنے گریباں میں منہ ڈالیں گے، سنئے۔

برائے گلے میخورند خارہا ٭ برائے ڈھیلے می بندبارہا

اگر بالفرض آپ کے نزدیک یہ مدارس کے جھگڑے کارآمد نہیں ہیں تو اس سے تو آپ کو کیا کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است ٭ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ان سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی وقت تو ایسا شخص آتا ہے یا نکل آئے گا جو آپ کی ساری محنت ٹھکانے لگا دے گا۔ اور یہ تو ادنیٰ درجہ ہے ورنہ اس وقت بھی اگر آپ تحقیق کریں گے تو آپ کو سینکڑوں جو ہر دستیاب ہوں گے۔

مدارس کا ادنیٰ کرشمہ

میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ؎

جب اک انقلاب آیا نہ میخانہ ہے میخانہ
نہ وہ میکش رہے میکش نہ وہ ساقی رہے ساقی

اب نہ وہ مدارس ہیں نہ وہ طالب علم ہیں جو پہلے زمانہ میں تھے لیکن باوجود اس کے پھر بھی ایک حقیقت ہے۔

"بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے"

اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو اس وقت بھی جو اہل علم نظر آتے ہیں نظر نہ آتے سیلاب یورپ میں سب کے سب بہہ جاتے، اور دین کو غیر دین سے تمیز دینے والا کوئی دنیا میں نظر نہ آتا، اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو یہ تو آپ یقین سے کہہ سکیں گے کہ مدارس کے طفیل بہت سے مسلمان صحیح عقائد کے پیروکار ہو گئے اور عمل میں۔ گو وہ ناقص رہ گئے مگر عقائد میں بہت بڑی مقدار پختہ ہو گئی اور دہریت و لامذہبیت کے عام سیلاب سے ایک کثیر تعداد محفوظ ہو گئی۔ اگر آپ کی اعانت سے کم سے کم ایسا ہی ہو گیا ہے تو کیا آپ اپنی خوش بختی نہیں سمجھتے۔

حضرت اقدس مولانا تھانوی نے حقوق العلم میں صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے۔

"لیکن بہت زور سے للکار کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علم دین کی طرف ہر حالت میں خواہ اس میں مشغول ہونے سے استعداد اور کمال حاصل ہو یا نہ ہو مائل ہونا اور برائے نام بھی اس کی طلب ہونا بلکہ دائرہ کو وسیع کر کے کہا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں بے کار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجے انگریزی میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہو گی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تنزلزل واقع ہو اور اللہ و رسول و صحابہ و بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانہ میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ

ہے اور یہ ترجیح محب دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے“

اعتراضات و اصلاحات کی حقیقت

مدارس دینیہ عربیہ کے نصاب پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اُن کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے مدارس کے نصب العین اور اُس کے معیار اور مشکلات و ضروریات فوائد و منافع کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی ان اصلاحات کا فساد مجسم ہونا معلوم کرچکے ہوں گے اب مزید اطمینان کے واسطے تفصیلی طریق سے ایک ایک اعتراض یا اصلاح کی حقیقت عرض کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ اہل انصاف اور ان حضرات کو جو خود دیندار ہیں یا دینداری کو پسند کرتے ہیں اور اسلام و اسلامیات کی بقار و ترقی کے خواہشمند ہیں یورپ مسموم فضا سے متاثر نہیں یا کم متاثر ہیں ان کو ان اصلاحات کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور جن پر یورپ کے اثرات گہرا اثر کرچکے ہیں گو ان پر دینداری کے اس مایۂ ناز کام سے ایک تنفر کی سی شکل ہونے کی وجہ سے اثر کی توقع نہیں ہے تاہم اگر اُن کو مدارس کا دوسرا پہلو بھی معلوم ہو جائے تو ممکن ہے اس وقت صحیح راستہ کی ہدایت میں اس سے اعانت ہو جائے اب نمبروار جوابات عرض ہے

مجمل طور سے یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں ان میں دین کی ضرورت کی شے ہونی چاہیئے اور جو چیز ذرا بھی دین

یں مضر ہو یا علم دین سے توجہ ہٹانے والی ہو اس سے ان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

مدارس میں تاریخ کیوں نہیں

(۱) "مدارس میں تاریخ کیوں نہیں پڑھائی جاتی"

آجکل انگریزی مدارس میں تاریخ کی اہمیت کی وجہ سے وہاں کے فارغین کے دلوں میں تاریخ کی بے انتہا اہمیت جم گئی ہے اور رسائل و اخبارات میں جن کا لقب یعنی قصہ گوئی ہے اس کی کثرت ہو گئی تو لوگوں کو اس قدر غلو ہو گیا ہے کہ فن تاریخ کو اس کے درجہ سے بہت بہت بلند درجوں تک پہنچا کر عوام کو اس تخییل میں مبتلا کر دیا ہے کہ تاریخ بھی کوئی عجیب چیز مفید اور ضروری فن ہے اس بنا پر مدارس دینیہ پر یہ اعتراض ہے کہ ان میں تاریخ کی تعلیم نہیں اس لئے مجھے عرض کرنا ہے کہ تاریخ کی حیثیت کیا ہے۔

گو ایسے لوگ جن پر فرنگی اثرات آ رہے ہیں یہ سن کر ایک دم گبھرا جائیں گے۔ مگر کیا کیا جائے کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ فن نہایت ہمل فن ہے فن کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے سنئے اول تو یہ کہ تاریخ کوئی عقلی علم نہیں۔ کہ اس کو عقل سے اور عقلی اصولوں پر پرکھا جا سکے بلکہ نقلی ہے واقعات گذشتہ کی نقل ہے۔ تو اس کو نقل کے اصول سے پرکھنا ہو گا اگر ان اصول پر صحیح ثابت ہو تو معتبر ہو گا صحیح ثابت نہ ہو تو معتبر نہیں۔ نقل کے لئے

پر رحمت آلٰہی متوجہ ہوگی اس وقت آپ کیا سوچیں گے۔ جس وقت مقبولان بارگاہ کے مخالفوں اور موافقوں کی فہرست پیش ہوگی آپ کیا اس وقت اپنے گریباں میں منہ ڈالیں گے، سنئے۔

برائے گلے میخورند خارہا ✤ برائے دمے می برند بارہا

اگر بالفرض آپ کے نزدیک یہ مدارس کے جھگڑے کارآمد نہیں ہیں تو اس سے تو آپ کو کیا کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است ✤ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ان سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی وقت تو ایسا نکل آتا ہے یا نکل آئے گا جو آپ کی ساری محنت ٹھکانے لگا دے گا۔ اور یہ تو ادنیٰ درجہ ہے ورنہ اس وقت بھی اگر آپ تحقیق کریں گے تو آپ کو سینکڑوں جوہر دستیاب ہوں گے۔

مدارس کا ادنیٰ کرشمہ

میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ؎

عجب اک انقلاب آیا نہ میخانہ ہے میخانہ
نہ وہ میکش رہے میکش نہ وہ ساقی ہے ساقی

اب نہ وہ مدارس ہیں نہ وہ طالب علم ہیں جو پہلے زمانہ میں تھے لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایک حقیقت ہے۔

" بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے "

اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو اس وقت بھی جو اہل علم نظر آتے ہیں نظر نہ آتے سیلاب یورپ میں سب کے سب بہہ جاتے، اور دین کو غیر دین سے تمیز دینے والا کوئی دنیا میں نظر نہ آتا، اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو یہ تو آپ یقین سے کہہ سکیں گے کہ مدارس کے طفیل بہت سے مسلمان صحیح عقائد کے پیروکار ہو گئے اور عمل میں۔ گو وہ ناقص رہ گئے مگر عقائد میں بہت بڑی مقدار پختہ ہو گئی اور دہریت و لا مذہبیت کے عام سیلاب سے ایک کثیر تعداد محفوظ ہو گئی اگر آپ کی اعانت سے کم سے کم ایسا ہی ہو گیا ہے تو کیا آپ اپنی خوش بختی نہیں سمجھتے۔

حضرت اقدس مولانا تھانوی نے حقوق العلم میں صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے۔

"لیکن بہت زور سے للکار کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علم دین کی طرف ہر حالت میں خواہ اس میں مشغول ہونے سے استعداد اور کمال حاصل ہو یا نہ ہو نائی ہونا اور برائے نام بھی اس کی طلب ہونا بلکہ دائرہ کو وسیع کر کے کہا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں بے کار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجے انگریزی میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہو گی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تنزلزل واقع ہو اور اللہ و رسول و صحابہ و بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانہ میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ

ہے اور یہ ترجیح محب دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے"

اعتراضات و اصلاحات کی حقیقت

مدارس دینیہ عربیہ کے نصاب پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اُن کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے مدارس کے نصب العین اور اُس کے معیار اور مشکلات و ضروریات فوائد و منافع کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی ان اصلاحات کا فساد مجسم ہونا معلوم کر چکے ہوں گے اب مزید اطمینان کے واسطے تفصیلی طریق سے ایک ایک اعتراض یا اصلاح کی حقیقت عرض کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ اہل انصاف اور ان حضرات کو جو خود دیندار ہیں یا دینداری کو پسند کرتے ہیں اور اسلام و اسلامیات کی بقاء و ترقی کے خواہشمند ہیں یورپ کی مسموم فضا سے متاثر نہیں یا کم متاثر ہیں ان کو ان اصلاحات کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور جن پر یورپ کے اثرات گہرا اثر کر چکے ہیں گو ان پر دینداری کے اس مایۂ ناز کام سے ایک تنفر کی سی شکل ہونے کی وجہ سے اثر کی توقع نہیں ہے تاہم اگر اُن کو مدارس کا دوسرا پہلو بھی معلوم ہو جائے تو ممکن ہے اس وقت صحیح راستہ کی ہدایت میں اس سے اعانت ہو جائے اب نمبروار جوابات عرض ہے۔

مجمل طور سے یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں ان میں دین کی ضرورت کی شے ہونی چاہیئے اور جو چیز ذرا بھی دین

یں مضر ہو یا علم دین سے توجہ ہٹانے والی ہو اس سے ان کو پاک رکھنا ضروری ہے ۔

مدارس میں تاریخ کیوں نہیں

(۱) "مدارس میں تاریخ کیوں نہیں پڑھائی جاتی"

آجکل انگریزی مدارس میں تاریخ کی اہمیت کی وجہ سے وہاں کے فارغین کے دلوں میں تاریخ کی بے انتہا اہمیت جم گئی ہے اور رسائل و اخبارات میں جن کا لب لباب قصہ گوئی ہے اس کی کثرت ہو گئی تو لوگوں کو اس قدر غلو ہو گیا ہے کہ فن تاریخ کو اس کے درجہ سے بہت بہت بلند درجوں تک پہنچا کر عوام کو اس تخیل میں مبتلا کر دیا ہے کہ تاریخ بھی کوئی عجیب چیز مفید اور ضروری فن ہے اس بنا پر مدارس دینیہ پر یہ اعتراض ہے کہ ان میں تاریخ کی تعلیم نہیں اس لئے مجھے عرض کرنا ہے کہ تاریخ کی حیثیت کیا ہے ۔

گو ایسے لوگ جن پر فرنگی اثرات آ رہے ہیں یہ سن کر ایک دم گھبرا جائیں گے ۔ مگر کیا کیا جائے کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ فن نہایت مہمل فن ہے فن کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے سنیئے اول تو یہ کہ تاریخ کوئی عقلی علم نہیں ۔ کہ اس کو عقل سے اور عقلی اصولوں پر پرکھا جا سکے بلکہ نقلی ہے واقعات گذشتہ کی نقل ہے ۔ تو اس کو نقل کے اصول سے پرکھنا ہوگا اگر ان اصول پر صحیح ثابت ہو تو معتبر ہوگا صحیح ثابت نہ ہو تو معتبر نہیں ۔ نقل کے لئے

اصول یہ ہیں کہ خود یہ نقل کرنے والا اور جس جس سے یہ واقعہ نقل ہوا یا سب معتبر ہوں اور ان کا معتبر ہونا بھی کم از کم دو گواہوں سے ثابت ہو اور ہر ایک کا دوسرے سے سننا بھی ثابت ہو یا ہم عصر ہونا ثابت ہو جو واقعہ جس زمانہ کا ہوگا اُس زمانہ سے اِس وقت تک کے نقل کرنے والے کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کو اول کس نے مشاہدہ کیا پھر اس نے کس سے بیان کیا اور اس نے کس کس سے اور کس کس واسطہ سے اس تک پہنچا پھر وہ سب نقل کرنے والے کس کس درجہ کے قابل اعتماد ہیں جھوٹے لوگ تو نہیں ان کا حافظہ خراب تو نہیں عقل میں وسوسہ ہو کر نقل میں وسوسوں کا اثر تو نہیں بھروسہ کے قابل ہے یا نہیں اور یہ بات ہر ہر نقل کرنیوالے کے واسطے گواہوں سے تحقیق طلب ہے پھر جو شخص جس کے حوالہ سے بیان کرتا ہے اس نے اس سے سنا بھی ہے یا نہیں ان کا زمانہ ایک اور ان کی ملاقات بھی ہو سکی ہے یا نہیں اسی طرح جو کتاب لکھنے والا ہے وہ خود کیسا ہے ان اوصاف کا ہے یا نہیں۔

اگر ان کا حال معلوم نہیں ہے یا کوئی ایک واسطہ بھی ان اوصاف میں بھروسہ کے قابل نہیں ہے تو تاریخ ایک گپ اور محض فرضی افسانہ ہو کر رہ جاتی ہے تاریخ کے باب میں سب سے پہلے اس کی صورت نقل قابل تحقیق ہے تاکہ تاریخ کو فرضی گپ سے آپ امتیاز دے سکیں اب ذرا آپ غور کر کے دیکھیں کہ کیا کوئی تاریخ آپ کو ایسی مل رہی ہے جس میں ہر ہر واقعہ کے اصل مشاہدہ کرنے والے اور پھر نقل در نقل

کرنے والے بیان ہوں اور پھر ہر نقل کرنے والے کے بھروسہ کے قابل حالات تحقیق شدہ ہوں اور آخری ناقل یعنی مصنف بھی معتبر سچا قوی الحافظہ صحیح العقل دیانتدار ہو۔ آپ ہی انصاف سے دیکھیں یورپ کے دھوکہ میں نہ آئیں کہ جب یہ چیز نقلی چیز ہے اور اس کے نقل کرنے والے ہی معلوم نہیں تو وہ کیسی ہو سکتی ہے اور اگر معلوم بھی ہوں تو یہ معلوم نہیں کہ وہ بھروسہ کے بھی ہیں ان کی آپس میں طاقات ہوئی بھی ہے کہ ایک دوسرے کو بتا سکے یا نہیں اور یہ صاحب کتاب خود بھی معتبر بھروسہ کا ہے یا نہیں تو فرمایئے پھر یہ خبر کیسی سچی جا سکتی ہے کیا سوائے گپ کے اور بھی اس کا کوئی نام ہو سکتا ہے۔ مگر یورپ نے ایسا اس کو سر پر چڑھا رہا ہے کہ لوگ مرعوب ہو کر تاریخ تاریخ چلا رہے ہیں اور کوئی اس کی حقیقت پر نظر نہیں کرتا بلکہ لوگ تو اس کو بہت اہم بڑی معتبر بہت قابل قبول قرار دے رہے ہیں حالانکہ کوئی غور کر لینے والی عقل اس کو باثبوت نہیں قرار دے سکتی۔ اسی لئے آپ ان موجودہ تاریخی کتابوں میں باتیں دیکھیں گے جن کا غلط جھوٹ افترا بہتان بے اصل اور بے انتہا لغو ہونا ہر شخص کو معلوم ہے یورپین اور ہندو تاریخ نام سے کتابیں لکھنے والوں نے اسلام کے اسلاف کے لئے کیسی کیسی بے بنیاد باتیں بالکل جھوٹ تہمت منسوب کر دی ہیں بلکہ خود بعض مسلمانوں نے تاریخ تاریخ کہہ کہہ کر ان سے نقل کر کے خود بھی اس گندگی میں حصہ لے لیا ہے اور دنیا کی دنیا تاریخ کی گرویدہ ہو کر ان کو صحیح سمجھ کر گمراہ ہو رہی ہے کوئی نہیں دیکھتا کہ روایت کیسی ہے راوی

کیسے ہیں مصنف کیسا ہے اس اندھے پن کا بھی کوئی علاج ہے آج سارے ہندوستان کا کشت وخون انہی تاریخ نام گمیوں سے ہوا ہے کہ چھوٹے موٹے کی باتوں سے نفرت پھیلا کر کرلیا گیا ہے اور سب را ہندوستان اندھا ہو گیا

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس زمانہ میں خصوصاً اور پہلے بھی غیر متدین لوگوں کی روایت کا کیا حال ہوتا ہے ایک ہی قریبی واقعہ متعدد اخباروں میں کس کس طرح آتا ہے ہر شخص اپنے رنگ میں رنگتا ہے اور زمین سے آسمان تک کے قلابے ملاتا ہے۔ خدا معلوم عقلیں کہاں گئیں اور تاریخ تاریخ کا سبق ہر زبان پر کیسے آگیا۔ اسلامی تاریخوں میں آپ کو ہر ہر نقل کرنے والے کے نام ملیں گے۔ مصنف کے حالات ملیں گے مگر درمیان کے ناقل بعض ایسے بھی ملیں گے۔ جن میں سے بہت کے حالات نامعلوم بہت کی ملاقاتیں غیر ثابت شدہ بعض کے اعتماد میں شک وشبہ اور غیر اسلامی تاریخوں میں تو سند یعنی ان نقل کرنے والوں کے نام تک غائب۔ اس لئے وہ تو محض گپ اور فسانہ کے درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکیں پھر اگر بالفرض کہیں کسی واقعہ کی سند بھی ہو یعنی نقل در نقل والے سب معلوم بھی ہوں جیسے اسلامی تاریخوں میں بسند کے ساتھ بیان ہوتا ہے تو جب وہاں بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ بیان کرنے والے ایک دوسرے کو ملے ہیں۔ ایک نے دوسرے کو بتایا اور یہ سب کے سب معتبر نیک پارسا ہیں کیسے اس کو قبول کیا جا سکتا ہے تو اب بھی وہ بے ثبوت بات ہے گو بے سند نہیں اور یہ تاریخیں غیر اسلامی تو بالکل ہی بے سند و بے ثبوت ہوتی ہیں۔ اگر بالفرض کوئی تاریخ

سند سے بھی بیان کرتی ہو اور درمیان کے راوی بیان کرنے والے سب کے سب ہر ہر اعتبار سے معتبر بھی ہوں ان کا بھروسہ کا ہونا بھی شہادتوں سے ثابت ہو جائے اور ایسے ہی اصل واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا اور آخری ناقل مصنف بھی قابل اعتبار ثابت ہو جائے گو اس سے کتب تاریخ عاری ہیں تب بھی وہ صرف ایک شخص کی روایت ہوگی جبکہ واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا ایک ہو۔ پھر نقل کرنے والے ایک سے ایک یا دو ایک سے دو ایک معتبر معتبر ہوں تو وہ کچھ معتبر تو ہوجائیں گی مگر یقین کی حد کو نہیں پہنچ سکیں جب تک دیکھنے والے سے لے کر اب تک کے نقل کرنے والے مسلسل ہر زمانہ میں اتنے اتنے نہ ہوں کہ عقل ان کا جھوٹا ہونا محال قرار دے دیا۔
یہ صورت تاریخ میں بالکل ہی نہیں ہے۔ اور فرض کیجئے کہ کسی ایک واقعہ میں یہ بھی ہوگیا کہ اس کے دیکھنے والے اور دیکھنے والے سے، سننے والے اور سننے والے سے سننے والے آج تک مسلسل اتنی تعداد میں ہوں تو بیشک اس واقعہ کا واقعی اور صحیح ہونا ثابت ہو گیا مگر اس سے نتیجہ کیا یہ ایک شخص کا فعل ہے۔ اور حضور یا جن کے لئے حضور نے فرمایا ان کے سوا کسی کا فعل معتبر نہیں اور اگر وہ کسی کا قول ہوا تو اگر شریعت کے خلاف ہے تو مردود ہے اور موافق ہے تو شریعت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں اس لئے تاریخ سے اول تو بات بالکل بھی ثابت نہیں ہو سکتی اور ہو تو معتبر نہیں ہو سکتی لہذا یہ فن بالکل بے ثبوت بے اعتبار ہے۔ یہ بات تو صرف حدیث شریف کو ہی حاصل ہے کہ وہ حضور سے آج تک ایک نہیں بہت بہت سندوں

سے نقل ہو کر آتی ہے اور ہر ہر راوی کے متعلق بہت جہت حضرات کی شہادتیں حاصل ہیں۔ اور یہ سب تو جب ہے کہ جب نقل کرنے والے واقعات نقل کریں بے کم و کاست نقل کریں۔ موافق و مخالف سب نقل کریں جیسے قدیم اسلامی تاریخی کتابوں میں ہے تب بھی وہ سند کے قابل بھروسہ نہ ہونے سے قابل بھروسہ نہیں ہیں اور آج کل کی کتابیں جن میں واقعات کی نقل نہیں نتائج و قیاسات ہیں یا اپنے انتخابات ہیں یہ حالات تو کتاب کو تاریخ نام سے بھی نکال دیتے ہیں بلکہ یہ محض تخیلات کا مجموعہ بنا یا گیا ہے۔ اور خیال آفرینی کو تاریخ کیا گیا ہے اور فرضی فسانے ہیں جن کو واقعی کہا جارہا ہے۔ ایسی مہمل روایات ایسی بے ثبوت کتابیں ایسے لغو فن کو ایک دینا ہے کہ سراہا رہی ہے

" جنون کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنون "

ایسے نا قابل اعتبار فن کو نہ جو عقلاً صحیح کہ عقلی ہے ہی نہیں نہ نقلاً صحیح کہ نقل والوں کا اور ان کے حالات اور اصل واقعات کا پتہ نہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس میں داخل کر کے دینی تعلیم کے مضبوط و مستحکم قلعہ کو اس طرح پھوپس بنا دیا جائے ایک ایسی جماعت کو جو ہر بات کو دلائل سے معلوم کر لے اور دلائل سے ثابت کر لے کی عادی ہو اس کو بے دلیل فن میں مبتلا کر کے اس کے علم کا دوالہ نکال دیا جائے دوسرے معترض حضرات نے کبھی اس پہ بھی تو غور کیا ہوتا کہ اس فن کے اوپر کونسی دینی بات موقوف ہے جس کا سمجھنا یا سمجھانا بغیر اس فن کے نہ ہو سکتا ہو

یا کم از کم یہ فن کونسا ایسا خاص فائدہ دے گا جس سے قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اعانت ہوگی جن باتوں کی ضرورت فہم دینیات کے لئے واقع ہوتی ہے یا وہ فہم میں معتبر ہوتی ہیں وہ سب تفسیروں اور شروح حدیث میں موجود ہیں پھر جدید فائدہ یا ضرورت دین کے سمجھنے یا سمجھانے میں وہ اور کونسی رہ جاتی ہے جس میں اس سے اعانت ہوگی۔ جناب یہ مدارس دینی مدارس ہیں دین کا مدار ایسے نامعتبر بے ثبوت اور بے دلیل فن پر کیسے ہوسکتا ہے۔

تیسرے آپ خود غور فرمائیے کہ دین تو ان اصول و ضوابط کا نام ہے جو حق تعالےٰ نے اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے واسطے تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجے ہیں۔

اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ صحابہ کتنے ہیں کس کس سنہ میں پیدا ہوئے فلاں تابعی کب پیدا ہوا کہاں تعلیم حاصل کی کہاں انتقال ہوا۔ یا فلاں عالم کس سنہ میں پیدا ہوئے کس سنہ میں وفات پائی یا فلاں بادشاہ کب ہوئے کب پیدا ہوئے کب مرے تو ذرا غور کر کے یہ تو بتائیے کہ اگر وہ تمام احکامات کو معلوم کر کے سمجھ کے عمل کر کے دوسروں کو پہنچا رہا ہے تو کیا اس کی نجات میں ان باتوں کا نہ جاننا حارج ہوگا۔

محض اتنا معلوم ہونا کہ یہ تابعی ہے یہ صحابی اور راویان حدیث کے معتبر ہونے نہ ہونے کا بیان اور رجال مستند صرف روایات حدیث کی تنقید و تنقیح کے لئے کار آمد ہے تو وہ الگ فن ہے اسماء رجال تاریخ کو اس کی

وجہ سے ضروری نہیں کہا جا سکتا بلکہ نجات کا کوئی شعبہ اس علم پر موقوف نہیں بس حضور کے ارشادات واعمال وافعال کی پیروی ذریعہ نجات ہے۔ آپ یقین رکھیئے کہ قیامت میں ہرگز اس بارہ پرسش یا سزا نہ ہوگی۔ کہ فلاں بادشاہ فلاں عالم فلاں صحابی فلاں تابعی یا فلاں شہر فلاں ملک فلاں قوم کی تاریخ پیدائش و وفات ابتدا انتہا عروج وزوال ترقی تنزل تم نے کیوں معلوم نہیں کیا ہاں سوال ہوگا اعمال و عقائد کا معاملات ومعاشرات اخلاق و عبادات کا۔

چوتھے اس سبب کو فرض کر لیا جائے تو یہ تو خیال فرمائیے جیسے اور غرض ہوا کہ تاریخ ہے کیا صرف ایک شخص کا عمل یعنی تاریخ کا جزو مفید اگر ہو سکتا ہے تو پہلے لوگوں کے بعض افعال ورنہ صرف موت وحیات اور غیر اختیاری امور سے تو کوئی ایسا فائدہ نہیں جس کی ضرورت ہو مفید جز ہے تو اسلاف کے کارنامے افعال و اعمال وغیرہ اب یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا ہی کہ کسی کا عمل سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ... وافعال کے حجت نہیں ہے اور حضور کے افعال مبارکہ حدیث میں ملتے ہیں وہ تاریخ سے الگ اصول ہیں ان کے علاوہ تاریخ سے جو کسی کا فعل معلوم ہوگا وہ فعل یا اصول دین کے موافق ہے یا مخالف اگر موافق ہے تو اصول کے ہوتے اس کی ضرورت ہی کیا ہے اور اگر مخالف ہے تو اصول کے مقابلہ میں وہ خود ناقابل التفات ہے ورنہ تاریخ پر زور دینے والے گویا اصول کو ناقص کہہ رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

تاریخ کا فائدہ و ضرر

سطور بالا سے یہ مطلب نہیں کہ تاریخ سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں مقصد یہ ہے کہ یہ فن ایسا ضروری جس پر نجات یا عمل نجات موقوف ہو ایسا نہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جس پر دین کا کوئی شعبہ موقوف ہو اور ایسا بھی نہیں کہ خود بذاتہ قابل اعتماد ہو کہ جس سے کوئی بات یقین یا قریب بہ یقین کے درجہ میں ثابت ہوسکے ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کی کوئی بات دلیل سے ثابت ہوتی ہو محض حسن ظن اور روایت ضعیف کے درجہ میں ہے۔ البتہ اس سے اسلاف کے حالات معلوم کرکے کام کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے یا سنا کر دوسروں میں اشتیاق و رغبت پیدا کرکے قوت عمل کو حرکت میں لایا جاسکتا ہے اور ایسے کام کرنیوالوں کے واسطے کچھ کچھ مفید ہے کیونکہ انسانی کی طبیعت کو علم نظیر سے اطمینان ہوتا ہے نظیریں سامنے آنے سے رغبت ہوتی ہے اس لئے یہ فن صرف زوائد کے لئے اور ایک استحسانی کے درجہ میں ہوسکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے لئے جو تقریر وغیرہ کا کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی مکمل حالات کی ضرورت نہیں ہوتی امور غیر اختیاریہ ولادت و وفات وغیرہ اور بود و باش وغیرہ جیسے امور سے یہ بھی فائدہ نہیں ہے۔

اور ان کو چند کتابوں کے مطالعہ سے از خود بھی حاصل کیا جاسکتا ہے پڑھنے پڑھانے اور نصاب کا جز بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی

افسوس ایک عالم کا عالم وبائے یورپ سے متاثر ہو کر تاریخ کے فن کو خدا جانے کیا سے کیا سمجھنے لگا ہے اور بڑے بڑے سمجھدار لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ وقت عزیز کو ضروری، مدار نجات اور نہایت کار آمد امور میں صرف کرنے کے بجائے اپنی اور دوسروں کی عزیز عمریں اس فن میں ضائع کرتے ہیں جس کا فائدہ بہت معمولی اور وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اور ان باتوں کو حفظ یا درکھنا پڑتا ہے تو دماغ پر بے وجہ کا کس قدر بار عظیم ہوتا ہے جس قدر قوت دماغی اس پر خرچ کی جاتی اور جتنا وقت عزیز اسمیں صرف کیا جاتا ہے اگر وہ کسی ایسے کام میں ہوتا جو انسان کی دنیا یا آخرت کیلئے مدار نجات یا باعث فلاح ہو تو بہتر تھا۔ اب اس اضاعت وقت میں علمائے دین کو مبتلا کر کے ضروری اور بے انتہا ضروری کاموں سے روکنے کی ایک تدبیر کی جاتی ہے کیونکہ وقت محدود ہے اس کام میں جسقدر صرف ہوگا۔ ضروری کام سے یہ وقت خالی رہے گا۔ ایک تو یہ نقصان ہوا پھر زمانہ کے رسم و رواج کے موافق ہونے سے طلبہ کو اس میں رغبت زیادہ ہوگی ضروری علوم سے توجہ ہٹ جائے گی۔ نفس و شیطان کو اس عظیم الشان کام سے ہٹانے کا موقع ملے گا اور عالم دین بننے کی جگہ محض قصہ گو ہو کر رہ جائیں گے۔ وسیع اور گہرے علم سے محروم ہو جائے گی۔ اور راسخ اسلام و اسلامیات کے محافظین کا سلسلہ ختم ہونے لگے گا ذرا غور تو فرمایئے کہ تاریخ کے مشورہ کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا۔ دین کا کام جو لوہے کے چنے چبانا ہے کسی دلچسپ کام کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے

کون پھر وہ مشقت اٹھانے کے لئے تیار ہوگا کون عالم دین بنے گا اور کون اسلام کو سنبھالے گا۔

مدارس میں جغرافیہ کیوں نہیں

(۲) یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مدارس دینی مدارس ہیں اس لئے جب تک اس کو ثابت نہ کر دیا جائے کہ جغرافیہ پر فلاں فلاں دینی باتیں موقوف ہیں یا یہ فلاں فلاں دینی امور کے لئے ضروری ہے اس وقت تک اس کا مشورہ ناقابل التفات ہے۔

یہ فن بھی عقلی نہیں ہے نقلی ہے اور تاریخ سے بھی بڑھ کر اہل علم کے لئے لغو ہے وہاں تو بعض اسلاف کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ یہاں یہ بھی نہیں شہروں اور آبادیوں کے طول وعرض وہاں کی خاص خاص چیزیں ان کی سمتیں وہاں بننے والی چیزیں اگر آپ کو نہ معلوم ہوئیں تو یہ تو بتلایئے آپ کے دین میں کیا کمی واقع ہوئی یا دین کے پہنچانے میں کیا کسر رہ گئی نجات کا کونسا شعبہ رہ گیا زیادہ سے زیادہ آپ اس کا دینی فائدہ اس قدر کہہ سکتے ہیں تبلیغ کے سفروں کے لئے اور اطراف عالم کی مسلم وغیر مسلم آبادی وغیرہ معلوم کرکے ان کی تبلیغ کا اہتمام کرنے کے لئے یہ مفید ہوگا تو اس سے اول تو یہ ثابت نہ ہوا کہ تفقہ فی الدین اور علوم دینیہ کی مہارت میں اس سے کوئی فائدہ ہے اگر ہو سکتا ہے تو وقت انذار و تبلیغ تو جس طرح سفر تبلیغ کے لئے ریل کے نقشے ریل کے کرایہ

ریل و لاری و تانگہ وغیرہ سواریوں کی تفصیل مسافت کی تعیین وغیرہ کا علم وقت پر حاصل کیا جاتا ہے کیا مبلغین ہر وقت اس کو معلوم نہیں کر سکتے۔ جس طرح ریل لاری کی سڑکوں کے نقشے اور کرایے وغیرہ کو جزو نصاب نہیں کہہ سکتے جغرافیہ کو کیوں جزو نصاب کہا جاتا ہے۔

ادھر تبلیغ کے متعدد شعبوں میں ضرورت تو فقط ایک شعبہ کیلئے اور لازم کر دیا جائے اصل علم اور کل نصاب کے واسطے یہ کون عقل کی بات ہوئی کیا یہ بقیہ دماغوں پر فضول کا بار اور اضاعت وقت اور غیر مقصود میں مشغول کر کے مقصود سے روکنا نہیں ہے۔

بلکہ از بیش یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعبہ تکمیل میں تبلیغی سفروں کے لئے ایسی کتاب کا دیکھنا بھی مفید ہوگا تو اس میں کوئی انکار نہیں جیسے کہ ریل کے ٹائم ٹیبل کا دیکھنا مفید ہوگا اور مزید مقامی حالات کا معلوم کرنا مفید ہوگا درجہ تکمیل کی بھی ضرورت ہے اس میں یہ مشورہ کچھ مفید ہوگا۔ مگر قبل از وقت عجائب بلاد کا مال طلبہ کے دماغوں پر پیش کرنا ان کو فضول کی سیاحت کا شوقین بنانا ہے جس میں اضاعت مال اضاعت وقت اور اصلی اور اہم کاموں سے رک جانا بھی ہوتا ہے پھر اس شوق میں ترک تعلیم کا احتمال غالب ہے کیونکہ دینی تعلیم نازک طریق ہے اس کو اسکولوں کی تعلیم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے موانع اور سدراہ امور بہت ہیں بڑی مشکل ہے ان سے بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح شہروں کی تجارت و صنعت کے حالات سے یہ تشویق

ہو گی کہ وہ اپنے لئے ایسی ہی لائن اختیار کریں اور یہ تشویق نہ مسدود راہ ہو گی، یہ مقصد نہیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت کوئی ناجائز چیز ہے بلکہ یہ توابع حلال کے شعبے ہیں اگر کسی معصیت سے آلودہ نہ کر لئے جائیں تو حلال روزی ہیں دل و دماغ میں بڑا نور پیدا کرنے والی چیزیں اور حرام طریقہ سے بچنے کے لئے تو اور بھی ضروری ہیں۔ مگر پھر یہ کام دنیا کا کام ہے اور وہ طلب دین اور اشاعت دین کا نہ اس کی برابر کا ہو سکتا ہے کہ بدل بنا لیا جائے نہ اس کے ساتھ جمع کرنا مناسب ہے کہ وقت اور دل جمعی میں خلل ہو کر دین کے کام کی تکمیل اور کمال سے محرومی ہو گی۔ ان نقصانات کو تجربہ کرنے والے ہی محسوس کرتے ہیں یا وہ حضرات جو دینداری کیساتھ غور و خوض سے کام لیں مگر یہ تو بتائیے اگر حاجی نے حج کے سب کا خوب اچھی طرح کر کے گو یہ ہی نہ معلوم ہوا کہ مسجد حرام کے کتنے دروازے ہیں تو کیا اسکے حج کرنے میں کوئی خلل نہ ہوگا۔

مدارس میں سائنس اور فلسفہ جدید کیوں نہیں

(۳) سائنس جو ترکیب و تحلیل مادیات ہے اس کے متعلق سمجھ اگر آپ غور کریں گے تو کوئی دین کی بات اس پر موقوف نہ ملے گی ایسے ہی فلسفہ جدیدہ پر بھی نہ دین کا کوئی حصہ سمجھنا موقوف ہے نہ دین کا پہنچانا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ شکوک و شبہات جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو پیدا ہوتے ہیں ان کے حل کرنے میں یہ دونوں فن معین و مفید ثابت ہوں گے تو ان کی ضرورت ایک درجہ میں درجہ تکمیل میں پہنچ کر ہو گی جس کی الگ ضرورت ہے وہ اس وقت مدارس کا جز نہیں ہے اس شعبہ کی ضرورت ہے اور

بہتر یہ ہے کہ الگ ایک شعبہ قائم کیا جائے جس کے ساتھ اس کی عملی صورت کار تبلیغ بھی ہو کہ تقسیم کار زیادہ مفید ہوتی ہے۔

لیکن یہ راستہ پھر بھی بہت خطرناک ہے اس میں دین سے بے دین ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ گویا مذہب کا مدار نقل پر رکھنے کے بجائے عقل پر دکھاجاتا ہے یہ عقل پرستی ہے خدا پرستی شامل نہیں اور تمام دینی کاموں کو دنیوی بنا دینا ہے کہ عقل سے دنیا کا فائدہ معلوم کرکے پیروی کرنا ہے بات دنیا پرستی ہے۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن اصول پر دین کا مدار اولی ہوتا ہے ان کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان کے ثابت و تسلیم ہو جانے کے بعد فرعی باتوں کو عقلیات سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے ورنہ فرعیات پر دلائل کا مطالبہ اصول کی تسلیم میں شبہ پیدا کرنا ہے۔

نئی حکومت کو ۔ کرنے کے دلائل کی ضرورت تو ہوتی ہے مگر حکومت تسلیم ہونے کے بعد اس کا ہر حکم بے چون چرا اتباع ہوگا اس پر دلیل کا مطالبہ حکومت کی تسلیم میں شبہ اور بغاوت کے آثار کا مرادف ہے۔ ہر محکمہ کا افسر جب آتا ہے اس کی ملازمت اور اس کے افسر ہونے کے ثبوت کے بعد کسی حکم میں این و آں کی گنجائش نہیں ہوتی

دین میں بھی اصل یہی ہے کہ اصول کا اثبات عقلی دلائل سے ضروری ہے جب اصول مسلم ہو جائیں تو اب فروع میں دلیل عقلی کا مطالبہ اصل کی تسلیم میں شبہ کے مرادف ہوگا جیسے بچہ کو باپ سے غلام کو الگ

ہے۔ نوکر کو آقا سے کسی حکم میں چون و چرا کی گنجائش نہیں، اور ایسا کرنے والا سزا کا مستحق ہے اسی طرح بندہ کو خدا و رسول کے حکم میں علت دریافت کرنے کا حق نہیں ہے یہ کام اصول عبادت کے خلاف ہے بجائے بندہ ہونے کے اپنے کو بہت بڑا اور ہمسر گمان کرنے کے دعویٰ جیسا ہے سخت خطر ہے پھر کوئی ماتحت بھی ان اسرار و مصالحت پر مطلع کرائے جانے کا اہل نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ بندہ عاجز بندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس شے سے آقا کے کسی حکم کے خلاف کسی بات کا وہم بھی معلوم ہوتا ہو اس سے بغض و عناد دشمنی و مخالفت رکھی جائے نہ یہ کہ اس کو اصل و صحیح قرار دے کر احکام میں یہ علت و حکم کی فکر ہو اور بندگی برقرار رہے ہاں خود کسی کو اسرار پر مطلع فرما دیا جائے تو یہ کرم عظیم ہے مگر یہ تقرب و مقبولیت سے ہوتا ہے ہم تو بندے ہیں ہمارا کمال ہماری بندگی کا کمال ہے یہ انانیت بندگی کے خلاف ہے دوسرے علل اور اسباب کی تلاش کے معنے یہ ہوئے کہ اپنے علم و عقل کے صاحب احکام کے علم کی برابر یا قریب ہونے کا دعویٰ ہے جو سخت باغیانہ مقابلہ کی صورت ہے۔

تیسرے احکام کو فلسفی حکم سمجھ کر اختیار کرنے سے دین کا وہ درجہ نہیں رہتا جو تھا یعنی فرض الٰہی فرض کے درجہ سے گر کر ایک عقلی و مصلحتی چیز رہ جاتی ہے یہ اہانت عظیمہ ہے اور عجب نہیں کہ نوبت کفر تک پہنچ جائے لہٰذا یہ سخت خطرناک راہ ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ہم جو بات علت و حکمت کی قسم سے پوچھتے ہیں

وہ اس لئے کہ دوسرے مذہب والوں کو جواب دینا ہے ہم کو خود شک نہ عمل میں اس کا انتظار نہ کسی قسم کا احتمال لیکن اول تو غیر مذہب والوں کو اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں اصول کی بحث کی ضرورت ہے جو عقل سے ثابت کئے جاتے ہیں پھر فروغ تابع ہو کر قانون عالم کے موافق ثابت ہوں گے دوسرے جن کا یہ کام ہے وہ ان کو خود سمجھالیں گے آپ اس میں پڑ کر فرض کی اہمیت کو ہلکا کرنے، حکم الٰہی کو ہلکا سمجھنے اور اس کو بجائے حکم کے فلسفی بات سمجھ کر ماننے اور فرض عبدیت کے خلاف کرنے میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں غیر مذہب والے ان امور میں پھنسیں تو وہ تو اہل باطل ہیں اور باطل کی انتہا پر پہنچے ہوئے باطل کی پیروی اور کفر سے زیادہ ان کو اور کیا نقصان پہنچے گا۔ آپ ایمان والے ہیں آپ کے اس آبگینہ پہ میل یا بال نہ آجائے۔ "اول خویش بعدہ درویش"

بتانے والوں کے لئے یہ خطرہ ہے کہ حقیقی عمل و اسرار تو محض فضل سے مقرب و مقبول بندوں کو بتائی جاتی ہیں اب اسرار و عمل اور فوائد و حکم کا بیان کرنا سوائے ان کے جو فضل عظیم نے ظاہر فرما دی ہیں باقی سب قیاسی و تخمینی ہوگا عقل انسانی کا قیاس و تخمین ظاہر ہے کہ حکیم مطلق کی حکمتوں کا نہ کما احاطہ کرسکتا ہے نہ کیفا اور بہت ممکن ہے کہ ان کی گرد کو بھی نہ پہنچے قریب بھی نہ آئے اس لئے بسا اوقات ایسا بیان بجائے اصل حکمت کے ایسی لغو بات ہوگی جس سے اس حکم کی اور اہانت ہوتی ہوگی گو یہ صاحب بیان اپنے نزدیک کم فہمی کی وجہ سے بڑا کمال کریں گے مگر وہ حقیقت

میں توہین وحقارت ہوگی۔ پھر اہانت دین سے کفر تک کا اندیشہ ہے جیسے بعض یورپ زدہ لوگ نماز کی حکمت بیان کرتے ہیں ورزش لاحول ولا قوۃ الا باللہ جو خدائی حکم کی تعمیل بے مثال اور ہر ہر ظاہری و باطنی جزء کی عبادت قرب الٰہی کا ذریعہ براہ راست حاضر دربار اور عرض معروض سے مشرف ہونا وغیرہ تھا اس کو معمولی بچوں کا سا کھیل تماشا بنا ڈالا ڈرلٹریٹبٹک قرار دیا۔ اور بعض لوگ اگر صحیح بھی بیان کریں گے تو اپنے علم کے مطابق کوئی ایک معمولی بات حکمت کی بیان کریں گے سننے والا یہ سمجھے گا کہ بس کل حکم و منافع اسی میں منحصر ہیں اس سے حکم کی وقعت گرے گی اور بہت ممکن ہے کہ جو فائدہ اس کو بتایا گیا تھا اس منفعت کو دوسری جگہ اس سے اعلیٰ دیکھ کر اس کو چھوڑ بیٹھے اور جو اصل منافع تھے۔ آپ کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان سے محروم ہوجائے نہ عقیدہ رہے نہ عمل اور اس کا سبب آپ کا یہ بیان ہوا ہے دونوں اس کے مجرم ہوئے۔

اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ ایسا سائل ان حکمتوں کے معلوم کرنے کے بعد اس قول یکے فلسفی اور مصلحتی حکم سمجھے گا فرض خداوندی نہ سمجھے گا اس سے فرضیت کا انکار ہو کر کفر تک نوبت پہنچے گی اور یہ نوبت اس بیان سے ہوگی آپ اس کے لئے سبب کفر بن جائیں گے۔ یہ کام جس کو آپ سبب نفع و تبلیغ سمجھتے تھے سبب کفر و ارتداد بن جائے گا۔

اور ایک قوی اندیشہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو یہ علوم سکھائے جائیں گے کہیں بجائے اس کے کہ وہ اس کو حاصل کرکے اس کے بعد

کو سیکھیں۔ کہیں خود ہی نہ فساد عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جائیں اسلئے اس میں ہر طرح کا خطرہ ہے۔

فلسفہ قدیم میں بھی ایسے ایسے اشکالات تھے اور ایسے واقعات پیش آئے لیکن پھر علمائے اسلام نے اس فلسفہ کو مسلمان کیا ایسا ہونے تک جو کچھ ہوا ہوا اب ایسا ہی پھر ہوگا پہلا زمانہ خیر القرون کے قریب کا متبرک اور روحانیت کا تھا اس وقت کچھ لوگوں کا سنبھلنا آسان ہو گیا اب زمانہ خود بہت خراب جا رہا ہے اب اس کا سنبھالنا مشکل ہے جو حالات انگریزی خواں مسلمانوں کے فلسفۂ جدیدہ و سائنس پڑھکر ہو گئے ہیں کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہی حالات دینی مدارس کے طلبہ کے ہو جائیں پہلے زمانہ میں جو مقابلہ علمائے اسلام کو اس وباء فلسفہ سے کرنا پڑا ہے اور اس میں خود وہ بھی وجود علمی و عملی پختگی اور برکت عہد کے کچھ نہ کچھ لچک لچک گئے ہیں۔ تو اب کیا حال ہوگا۔

اس پر بعض مقررین کا یہ جملہ کہ خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا کتنا لغو ہے کہ خواہ مخواہ کفر و ارتداد کے خطرات پیدا کرو اور خطرات کا مقابلہ کرو جو اس رَو میں بہہ جائے اسے بہنے دو اطمینان سے بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو اس میں مبتلا کر کے دین سے نکال دو کیا عقل کی بات کہی ہے واہ واہ اور جب سب کے سب اس خطرہ میں ہوں گے تو پھر کچھ نہ کچھ اثر ہر ایک پر آئے گا اور حقیقی دین و دینداری کی راہ سے ہر ایک کچھ نہ کچھ ہٹ جائے گا پھر دین و دینیات کا صحیح چاہنے والا ہی نہ ملے گا۔

اس وقت تو بیش از بیش یہ الزام ہو سکتا ہے کہ علما اس سے ناواقف ہیں اور اس وقت علمائے دین و دینیات کے ہی فنا ہو جانے کا اندیشہ تو یہ ہے۔

قدیم فلاسفہ کے حالات تو آپ نے دیکھے ہوں گے کہ بعض نے عقیدت معلوم کرنے کی غرض سے فلسفہ کو حاصل کیا وہ اتنا دماغ پر مسلط ہوا کہ خود ہی اس میں بہہ گئے۔ اب ان کا کوئی علاج بھی نہیں اگر ایسا کیا گیا تو علمائے دین کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور پھر اسلام و اسلامیات میں رخنہ کا خطرہ ہے۔

صرف یہ ہو سکتا ہے کہ انتہا درجہ کے نہایت پختہ اہل علم و عمل صاحب نسبت لوگ اگر مطالعہ کر کے جواب دینا اختیار کریں تو شاید وہ اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور جن کو جوابات دیں گے۔ شاید ان کے دین کو محفوظ رکھ سکیں۔

ادھر یہ کہ فلسفۂ قدیم میں تو اثبات اصول کے مسائل تھے وہ قابل اعتنا تھا جدید میں فروع سے بحث ہے یہ راستہ حسب بیان مذکورہ خطرناک ہے غرض نصاب میں داخل کرنا تو اہل علم کو تباہ کرنا ہے ہی درجہ تکمیل میں داخل کرنا بھی خطرات سے خالی نہیں۔

مدارس میں حساب کیوں نہیں

(۴) حساب کی جس قدر دین کے لئے ضرورت ہوتی ہے وہ برابر سکھایا

جاتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ حساب بالکل نہیں ہے ہاں زیادہ میں وقت ضائع نہیں کرلیا جاتا فرائض کے مسائل میں کافی حساب کی ضرورت ہے وہ سب سکھایا جاتا ہے نہ مدارس دینیہ کے کسی مقصد میں زیادہ کی ضرورت ہے نہ زیادہ میں لگا کر وقت کو دوسرے اہم ترین کاموں سے روکا جاتا ہے اور سُود کا حساب نہیں سکھایا جاتا کہ اس کا حساب بھی حرام ہے۔

ڈرائنگ کیوں نہیں

(۵) ڈرائنگ کی نہ دینی کام میں ضرورت نہ اس میں لگا کر وقت کو ضروری علوم سے ہٹا کر ضائع کرایا جاتا ہے ورنہ دنیا میں سینکڑوں فنون ہیں کس کس کو لے کر اصل کام کا وقت کھویا جائے اور جاندار کی تصویر سخت گناہ ہیں

ورزش وغیرہ کیوں نہیں

(٦) ورزش کھیل اور صفائی میں سے کھیل جو تہذیب و متانت کے خلاف تھا شرافت و عزت کے منافی تھا آج وہ جزو تہذیب بنتا ہے لہو ولعب گو آج جزو تہذیب ہو جائے لیکن اصلیت بدل نہیں سکتی بری بات بری ہی رہے گی خواہ اس کو کوئی اختیار کرلے اسلام نے لہو لعب کو جائز نہیں رکھا سوائے ان چند کے جو جہاد وغیرہ کے لئے ہیں اس پر ایسے امور کا دینی مدارس میں مطالبہ نہایت حیرت ناک ہے دین کے محافظ دین کے علمبردار اور ناجائز امور کو جزو تربیت بنائیں۔

یہ کیسے روزہ رکھا جاسکتا ہے۔

رہی ورزش تو نہ اس سے کسی کو ممانعت کی جاتی ہے نہ ترغیب دی جاتی ہے۔ جو چاہے کرے چاہے نہ کرے نہ دین کے علوم اس پر موقوف نہ یہ دین کے علوم میں مضر ہاں جب اس قدر درجہ پر آجائے گی کہ علوم میں مضر ہونے لگے گی تو ضرور روکا جائے گا۔ ورزش جسمی کا خاصہ ہے کہ وہ کبر و غرور پیدا کرتی ہے اعصاب میں تناؤ ہونے کی وجہ سے خواہ انسان کمزور ہی ہو خود کو بہت قوی سمجھتا ہے دوسروں کو حقیر اور اس سے اخلاق پر اثر پڑتا ہے کہ بات بات میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کو یا دو لیکن پھر صحت کے لئے بعض کے لئے مستحسن اور بعض کے لئے ضروری بھی ہے۔ حفاظت اخلاق کے ساتھ اس کی اجازت ہوتی ہے ہاں ورزش جسم سے کہیں افضل ورزش عقلی ورزش ذہن وحافظہ ورزش کلام ورزش اخلاق ورزش ایمان کا اہتمام ہوتا ہے جن کی ایک عالم دین کو بہت ضرورت ہے۔

صفائی و نظافت اور چیز ہے اور زینت و فیشن اور شے صفائی و نظافت کی تاکید ہوتی ہے مگر نہ اس قدر کہ اس میں غلو اور انہماک ہو البتہ جو طلبہ اپنے کام میں انتہا درجہ منہمک رہتے ہیں اور اس انہماک کی وجہ سے وہ صفائی نہیں رکھ سکتے تو وہ قابل گرفت نہیں ہوسکتے جیسے شادیوں میں اہل زمانہ شدید انہماک کی وجہ سے اپنی صفائی سے قاصر رہتے ہیں کیمیا گر کو اس کا اہتمام نہیں ہوتا عاشق اپنی دھن

ہیں اگر کہ ایسی چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ بھی ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جس معیار پر عالم دین کو ہونا چاہیئے۔ وہ اسی قدر دھن اور انہماک کو چاہتا ہے اور جس کو بھی آپ ان چیزوں کا شوقین دیکھیں گے وہ ہر دھن سے خالی ہوگا حقیقت نگر معنی کو دیکھتا ہے ظاہری نمائش کو نہیں دیکھتا۔

مدارس میں عربی گفتگو اور تقریر و تحریر نہیں

(۷) یہ اعتراض ظاہر نظر میں بہت قوی اعتراض ہے اور اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے لیکن شروع میں یاد ہوگا۔ عرض کیا تھا کہ یہ مدارس دینی مدارس ہیں ان میں عربی تابع ہو کر سکھائی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گفتگو اور تقریر و تحریر مشق کی چیزیں ہیں جب تک مشق رہتی ہے ان پر قدرت رہتی ہے مشق نہیں ہوتی یا نہیں رہتی قدرت نہیں رہتی، نہ ان سے قابلیت بڑھتی ہے نہ زیادہ قابلیت کے لئے یہ لازم ہیں آپ دوافروشوں کو گھنٹوں تقریر کرتے اور اخباروں کے دفتروں اور مشاعروں میں کم سن بچوں کو مضامین لکھتے اور غزلیں نظمیں کہتے اور ہر بچہ کو چند دن میں دوسری زبان کے شہر میں اس کی زبان میں صاف گفتگو کرتے سنیں گے تو یہ مشق نہیں تو اور کیا ہے۔

مدارس کا مقصود عربی فہمی کی تعلیم ہے۔ عربی گوئی کی تعلیم نہیں اور اصل استعداد کلام فہمی ہے بلکہ مختصر سے کلام سے تمام گرد و پیش مالہ

وما علیہ اور ایک نقطہ کا نکتہ سمجھ لینا ہے۔ آیت کے لفظ لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم سے اس طرف اشارہ ہے کہ علم استنباط کا ملکہ ہے۔ اسی استعداد کی ضرورت ہے کہ جس سے قرآن وحدیث اور فقہ کو پوری طرح سمجھ سکے۔ آپ نے ایسے بہت لوگ دیکھے ہوں گے کہ کسی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں مگر ایک سطر مضمون نہیں لکھ سکتے پانچ منٹ کھڑے ہو کر مجمع عام میں بول نہیں سکتے بہت سے ایسے بھی دیکھے ہوں گے کہ تحریر میں مایۂ ناز اور تقریر میں صفر اور بعض اس کے برعکس۔

معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں محض مشق سے متعلق ہیں قلیل الاستعداد مشق والا عظیم الاستعداد بے مشق والے سے جیبراق نظر آئے گا اگر معترضین کو اس سے تسکین نہ ہو تو اپنے تجربات کی بنا پر دعوی نہیں حقیقت کر کے عرض کیا جاتا کہ جس طالب علم کے مظاہر علوم سہارنپور یا دارالعلوم دیوبند یا کسی اور جیسے مدرسہ میں امتحانات میں اچھے نمبر آتے ہوں وہ علوم ضروریہ سے فارغ ہو چکا ہو ہمیں دیجئے انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ کی مشق میں وہ عربی گفتگو کرتا نظر آئے گا۔ اگر کسی زبان میں بھی تقریر کی جھجک نکلی ہوئی ہے تو انشاء اللہ ایک دو دن میں عربی میں تقریر پندرہ دن میں مضمون نگاری اور اگر طبیعت موزون ہے تو شاعری کرے گا ان باتوں کا تجربہ ہو چکا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ آپ کو شک ہو تو امتحان کر لیجئے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب چیزیں آلۂ اظہار ہیں نمائشی بحمداللہ مدارس دینیہ میں نمائشی کام نہیں کیا جاتا۔

دوسرے گفتگو تقریر تحریر شاعری قابلیت کا معیار ہی نہیں ہیں صرف مشقی چیزیں ہیں۔ چند معلومات کو لے کر مشقِ اظہار سے ظاہر کر دیا جاتا ہے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگ سات سات زبانوں میں شعر کہہ دیتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک زبان سے واقف ہیں یہ اس طرح کہ محدود و متعدد الفاظ ذہن میں آگئے اور جمع کر دئے یا دریافت کر کے جمع کر لئے۔ صرف معمولی شدہ بدہ کی ضرورت ہے۔ اصل قابلیت کلام اور کتابوں کا مع احتمالات وجوابات اعتراضات سمجھنا ہے جن میں بہت بہت نادر نادر الفاظ و مضامین ہیں ان کے لئے وسیع معلومات اور مہارت کی ضرورت ہے۔ مدارس دینیہ میں ٹھوس قابلیت پیدا کی جاتی ہے۔ ایک حوض سا لبریز کیا جاتا ہے کہ پھر جس طرح دہانہ کھولا جائے۔ دھواں دھار ثابت ہو جس کی نظیریں علماء کاملین ہیں۔

رہا یہ کہ ایسی مشق کیوں نہیں کرائی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کام جزو نصاب قرار دیا جاتا ہے جو ضروری ہو اور مضر نہ ہو اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ممکن ہے کہ آپ کہیں کہ عرب ممالک میں تبلیغ کے لئے ضرورت ہے تو اول تو وہاں جا کر ہفتہ عشرہ میں بولنے کی مشق ہو جاتی ہے پھر وہاں آج کل جو عربی رائج ہے وہ کتابی نہیں ہے جیسے ہندوستان میں دیہات کی گفتگو کو کتاب کی عبارت سے بہت اختلاف ہے اس سے بھی زیادہ وہاں کی گفتگو اور کتابی عربی میں اختلاف ہے مگر وہ بھی اس تعلیم کے بعد دو تین ماہ میں خوب آجاتی ہے جو لوگ حج کو جاتے ہیں وہ اس کا

مشاہدہ کرتے ہیں کہ دینی مدارس والے کس قدر جلد اس کو بولنے لگتے ہیں دوسرے یہ ضرورت سب کے لئے کب ہوئی۔ صرف مبلغین کے لئے اور ان میں بھی ان مبلغین کے لئے جو حجاز و عراق میں کام کریں تو اوپر عرض کیا گیا ہے۔ کہ فارغ التحصیل ہفتہ بھر کی مشق میں بولنے لگتا ہے۔ اس وقت تو کافی وقت خرچ ہوگا۔ بعد فراغت جلد مشق ہو سکتی ہے۔ مگر جب کچھ عرصہ کے لئے مشق چھوٹ جائے گی۔ پھر قدرت نہ رہے گی اس لئے یہ عرب ممالک کا تو صرف ایک بہانہ ہے اصل بات تو انگریزوں کی نقالی کرانی ہے کہ جیسے وہاں انگریزی خوب بولتے ہیں۔ یہاں عربی خوب بولا کریں۔

مگر بات یہ ہے کہ گفتگو تقریر تحریر نظم میں کوئی خاص معتبر فائدہ تو اس وقت نہیں ہے اور نقصان کافی ہے یہ سب چیزیں نمود و نمائش کی ہیں ان سے اس قسم کی بری عادت بنتی ہے۔ یہ ایک ریاکاری ہے جس سے بےحیائی اور بعض دفعہ پسند کرنے والوں کی واہ واہ طالب علم میں غرور پیدا کر دیتی ہے جو علم کے لئے سدِ راہ بن جاتا ہے اور خود سخت خراب عادت ہے۔ اظہار پسندیدگی کو دیکھ کر تقریر تحریر میں انکی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ پھر وہ انہی میں توجہ صرف کرتا ہے اور علم کی طرف سے توجہ غائب یا کم ہو جاتی ہے پھر تعلیم کا سلسلہ ختم یا ناقص بن جاتا ہے اور یہ نقص پھر ساری عمر رہتا ہے۔

اور عربی کے طالب علم اصولی تعلیم ہونے کی وجہ سے اس پر مجبور نہیں ہیں کہ وہ بولتے رہا کریں گے تو علم باقی ہے ورنہ ہوا ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف انگریزی مدارس کی تعلیم غیر اصولی اور ناقص طریق سے

ہے ان کو ہر ہر لفظ کے معنی و تلفظ کو رٹنا پڑتا ہے۔ اگر وہ روز بولتے نہ رہیں تو بالکل بھول جاتے ہیں اسلئے وہ اس پر مجبور ہیں کہ بولتے رہیں یہاں تعلیم اصولی ہے۔ برسوں نہ بولنے نہ لکھنے نہ پڑھنے پر بھی ذہن سے کلام فہمی نہیں جاتی مجبوراً وہ نہیں ان کی سی مجبوری کا علاج ہم سے مانگا جاتا ہے حیرت ہے۔

یہاں اس کی بہت نظیریں ملیں گی کہ تعلیم کے بعد قطعاً کوئی علمی کام نہیں کیا اور بیس پچیس برس کے بعد بھی وہ عربی کلام کو خوب سمجھتے ہیں مگر انگریزی میں یہ نظر نہیں آسکتا کہ نہ بولے نہ انگریزی لکھے پڑھے پھر بھی اس قدر عرصہ کے بعد وہ کلام سمجھ سکے۔

چونکہ عربی وہ سکھائی ہے جس سے قرآن و حدیث کی کامل سمجھ حاصل ہو اس لئے جدید عربی بھی نہیں سکھائی جاتی جس میں انگریزی فرانسیسی ترکی وغیرہ کے خلط ملط سے نئے محاورات و لغات آگئے ہیں۔

علوم دینیہ کی مہارت کے واسطے طلبہ علوم کو بہت بچانا پڑتا ہے ذرا کسی ایسی شے کی طرف متوجہ ہوئے کہ جس میں دلچسپی ہو تو پھر علمی مہارت میں نقص پیدا ہوا عربی لکھنا بولنا تقریر کرنا بلکہ ایسے ہی اردو لکھنا اور تقریریں کرنا بھی نمائشی چیزیں ہیں نفس کو ان میں خصوصاً اس وقت کہ جب لوگ واہ واہ کرنے لگیں۔ بہت حظ حاصل ہوتا ہے اور یہ کام نفسانی کام بن جاتا ہے نفس اپنے حظ کی چیز کی طرف مائل کر دیتا ہے اور اصل مقصود سے بے رغبتی ہو کر کام رہ جاتا یا نقص ہو جاتا ہے اس لئے

ان امور کی مشق کچھ مضر بھی ہے البتہ درجہ تکمیل میں جس جگہ کام کرنا ہو وہاں کی زبان کی مشق ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہوگا۔ پھر تحریر وغیرہ کی مشق خود بخود بھی ہو جاتی ہے اور تقریر و گفتگو کی نوبت آتی ہے تو خود بخود چند روزہ مشق سے یہ سب کام ہو جاتے ہیں۔ سکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اس کی نظیریں ان مدرسوں میں بکثرت ملیں گی۔

کیا مدارس میں انگریزی بھی چاہیئے

(۸) انگریزی زبان کی ضرورت دینی علوم کے حاصل کرنے کے لئے تو کسی درجہ میں بھی نہیں نہ قرآن شریعت انگریزی پر موقوف نہ حدیث وفقہ اس لئے مدارس کا مقصود اعظم تفقہ فی الدین یعنی دین میں مہارت حاصل کرنا ہے۔ وہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ اس پر موقوف ہے۔ نہ یہ اس میں معین و مفید۔ رہا یہ کہنا کہ اس زبان میں بہت سے علوم بند ہیں تو وہ علوم دین کے علوم نہیں۔ دین میں معین و مفید نہیں اس لئے دینی مدارس میں نہ اس کی ضرورت نہ کچھ فائدہ۔ اور دوسرے علوم میں لگا کر ایسے علوم میں کمی یا نقص پیدا کر لینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے۔ دوسرے آج دینی حیثیت سے جو حال انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا ہو رہا ہے کیا ویسا یا اس کے قریب قریب طلبائے علوم دینیہ کا حال کرنا مقصود ہے تو تخریب و افساد کی یہ رائے ناقابل قبول

ہونی چاہیئے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ کالجوں میں جو اثر پیدا ہوتا ہے۔ وہ ماحول اور صحبت کا اثر ہے۔ زبان بحیثیت زبان اس سے بے لوث ہے عربی مدارس میں وہ ماحول اور صحبت جو اب ہے باقی رہے گی اس لئے اثر نہ ہوگا۔ تو بات یہ ہے کہ صرف ماحول وصحبت کا ہی اثر نہیں۔ بلکہ اول تو یہ ہے کہ انسان جو زبان سیکھتا ہے یا جو کام کرتا ہے۔ چونکہ اس کی طبیعت میں انس ہے یہ اس سے اور اس کے بانی و ماہر اور اہل زبان لوگوں سے مانوس بلکہ محبت کرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خو بو پسند ان کی رفتار و گفتار اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے عیوب سے نظر اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی ان کا عیب ظاہر بھی ہوتا ہے تو تاویلیں سوجھتی ہیں۔ ان کے عادات وخصال سے عشق ہو کر آہستہ آہستہ وہ دل میں جگہ کرتی رہتی ہیں۔ ان کے مذہب سے بھی جو نفرت، باطل مذہب سے ہونی چاہیئے نہیں رہتی۔ خدا و رسول کے دشمن سے جو بغض ہونا چاہیئے وہ باقی نہیں رہتا۔ اپنے دین پر جو سختی سے جماؤ ہونا چاہیئے۔ وہ قائم نہیں رہتا۔ یعنی اسلامیت گھٹنے لگتی ہے۔ اور گھٹتے گھٹتے بعض جگہ فنا ہو جاتی ہے۔

ایک بی اے علیگ جو اڈیٹر اور لیڈر اور ممتاز ہستی ہیں انہوں نے خود احقر سے بیان کیا تھا کہ میں مسلمان نہ رہا تھا۔ اور شاذ و نادر کوئی انگریزی پڑھنے والا مسلمان رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ لوگ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ایک لیڈر سمجھتے ہیں جیسے محمد علی شوکت علی ہو گئے تھے۔ وہ رسول نہیں سمجھتے۔ اس لئے وہ مسلمان بھی نہیں رہتے۔

غرض زبان سے یہ اثر ایسا تدریجی ہوتا ہے کہ محسوس بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت تو زبان کا مسئلہ تمام لیڈروں میں گشت کر رہا ہے۔ کیا اب ہمارے ملک کے محکمہ لسانیات کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ہندو اس تاثیر کو سمجھ گیا۔ اور اپنی مردہ زبانوں کو عام اور جبری بنا رہا ہے تاکہ تمام ہندوستان ہندویت میں منضم ہو جائے۔ مگر افسوس مسلمان کبھی اس کو نہ سمجھے۔ انگریزی پڑھنے والوں پر جو انگریزی اثرات ہوئے۔ سب ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا۔ جس پر کچھ نہ کچھ اثر نہ ہو۔ افسوس پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ بلکہ اور بند ہوئی جا رہی ہیں کہ علمائے دین کو متاثر کر کے دین صحیح کو ختم کرانا چاہتے ہیں۔ دوسرے ہر زبان کے محاورات اور جملوں کے اندر اہل زبان میں سے ان لوگوں کی جن سے وہ منقول ہیں کیفیات قلبیہ کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ جو سننے یا سیکھنے والوں کے دل پر اثر کرتا رہتا ہے۔ اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اگر وہ بزرگ اہل اللہ ہیں تو ان کے اثرات۔ اور اگر کافر و بدکردار ہیں تو ان کے اثرات ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ بزرگوں کے کلام میں اثرات دیکھیں گے جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ حضرت تھانوی کے مواعظ کی ایک بہت بڑی مقدار پڑھ جائے تو انشاء اللہ اپنے دل میں دینی شوق کا اثر پائے گا۔ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں بھی بتاتی

دوسری صورت یہ کہ وہ دوسرے کسی کام کا اہل ہی نہ ہو پائے تو لامحالہ یہی کام تمام عمر کرے گا اور تمام تنگیوں کو اس مجبوری سے بھی برداشت کرے گا کہ وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا۔

چونکہ یہ کام دین کا اہم ترین کام ہے۔ شیطان و نفس اور دوست احباب مجبور کرتے رہتے ہیں۔ اس راہ سے ہٹاتے رہتے ہیں اگر عالم کو کوئی ایسی صورت نہ ملی جو اس کو یہ سلسلہ ترک کرا سکے تو وہ تمام عمر تنگ کر کامل ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ انگریزی کے بعد طبیعت کو دوسرے مواقع مل جائیں گے تو صورت اس لائن کے ہٹا دینے کی بن جائے گی اور اس کا تمام عمر کا کیا کرایا ختم ہو جائے گا۔ پھر کوئی عالم ماہر کامل بن سکے گا۔ اسی لئے مدارس میں صنعت و حرفت بھی مضر ہے۔ اور مولوی فاضل، منشی فاضل وغیرہ کے امتحانات بھی مقصود سے ہٹانے والے ہیں۔ چنانچہ ان سے اہل علم معیاری عالم نہیں بنتے اس کو دوسرے عنوان سے یوں سمجھئے کہ علمائے دین کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے۔ مجاہدات اختیاری بھی ہوتے ہیں اور اضطراری یعنی مجبوری کے بھی۔ مجاہدات اضطراری سے بھی بہت نفع ہوتا ہے۔ چنانچہ بیماریاں مصائب پریشانیاں جو مسلمانوں کو لاحق ہوتی ہیں ان سے مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں۔ اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم۔ (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں) غریبوں میں بہ نسبت امراء کے

دینداری زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان میں مجاہدات اضطراری ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ امراء سے ہزاروں برس پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے جیسے کہ حدیث میں ہے۔ اسلئے علماء دین کو ایسی سب راہوں سے روکنا ضروری ہے جو ان کے مجاہدات اضطراریہ کو پاش پاش کر دیتے ہوں مگر نہ اس قدر غلو سے کہ عرصہ حیات تنگ ہو کر اور مضطر واقع ہوں اس لئے مدارس میں تنخواہوں سے کام چلائیں۔ وہ بھی قدر ضرورت اور باقی مجاہدات رہیں۔ اسی گزارش کی دلیل آپ اس مشاہدہ کو بنا لیجئے جو آپ برس ہا برس سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جو علماء مدارس وغیرہ سے فارغ ہو کر کوئی امتحان دے کر کسی اسکول میں جا لگے یا انہوں نے کوئی اور مشغلہ اختیار کر لیا وہ دین کے کام کے نہیں رہے بلکہ اور نیچے اتر گئے۔ اسلئے دین کی حفاظت و اشاعت کے کام کے لئے جو روز بروز ترقی کی ضرورت ہے وہ اسی لائن پر شکر گزار رہتے ہوئے زندگی اور عمر گزارنا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مجاہدہ اختیاری میں لگ کر دوسری طرف کبھی توجہ نہ کریں جب نہ ہو تو پھر مجاہدہ اضطراری یعنی غیر اختیاری ہو کہ وہ دوسری لائن اختیار ہی نہ کر سکیں۔ لہذا علماء کو انگریزی کی راہ دے دینا ان کو اسی کام سے کھونا اور اسلام اور مسلمانوں کا نقصان عظیم کرنا ہے۔

ستائیسویں: عالم دین وارث انبیاء ہے اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح

ہیں۔ انبیاء کو کسی اور کام کسب معاش کے سلسلہ میں لگنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی نبوت ملنے کے بعد دوسرے معاشی کام کی اجازت نہیں اگر ایسے معاشی کام یا معاشی زبان ساتھ لگا دی جائے گی تو ان کا ہونا ہے بچنا مشکل ہوگا۔ اور معاشی کام میں لگنے سے اس وراثت کی شان میں فرق آجائے گا۔ اُسی قدر اپنے درجہ سے تنزل کر جائیں گے۔ اور دینی دوبنیات کی حفاظت میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اس لئے یہ ایسے مشورے علماء دین کو ان کے منصب سے گرانے کے مشورے ہیں اور ان کے منصب سے گرنے پر اسلام و اسلامیات کا نقصان ظاہر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا (اے اللہ آل محمد کا رزق قوت روزی بقدر کفایت کر دے) علماء نے کہا ہے کہ آل محمد کی موسن تقی حضور کی آل ہر متقی مسلمان ہے اسلئے متقی مسلمان اور بخصوصاً عالم دین کا رزق قوت ہے جس قدر اہل علم اس پر اکتفا کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے مصداق رہیں گے جو لوگ قوت سے آگے ذرائع تلاش کریں گے آل سے اپنے کو دور کریں گے۔ کیونکہ آل کے لئے تو رزق قوت ہی ہے۔ لہذا انگریزی وغیرہ ایسے اسباب پیدا کرنا علماء دین کو صیغہ آل سے ہٹانے کی کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ جو علمائے دین زیادہ مالیات کے سلسلہ میں لگے ان کو ان کے سابق علمی و عملی مراتب سے تنزل ہوا۔ تنزل تدریجی ہوتا ہے

اول اول علم بھی نہیں ہوتا۔ آخر میں محرومی پر رونا پڑتا ہے۔

آٹھویں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ (دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے) اور حب دنیا نام ہے مال و جاہ کی محبت کا علماء دین کے لئے مال کی محبت کے راستے نکلنا حب دنیا کے اسباب فراہم کرنا ہیں اگر ان کی وجہ سے کچھ اہل علم اس مرض میں مبتلا ہو گئے تو اس کا وبال کس کس پر ہوگا اور پھر اس کے بعد حب جاہ بھی قریب آجاتی ہے۔ اہل مدارس تو کوشش کر کر کے ان دونوں مرضوں سے بچنا ضروری سمجھتے ہیں اگر کسی وقت ان سے کوئی لغزش ہو تو آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کو بچائیں اور آپ حضرات ان میں پھانسنے کی کوشش کریں تو کیسے کام ہو پھر تو گویا آپ یہی چاہتے ہیں کہ نہ رہے علم نہ اسلام نہ اسلام رہے۔

نویں۔ بہت غور سے سننے کی بات ہے کہ علوم دینیہ کی مہارت ایسی اہم ترین عبادت ہے کہ جس کے فضائل بے انتہا ہیں۔ اور ایسی نازک راہ ہے کہ اس کے مشغلہ والے کے دوسری طرف متوجہ کرنے کو حق تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا ہے۔ اسی آیت میں یہ فرمایا ہے۔ ما کان المومنون لینفروا کافۃ۔ (نہیں تھے مسلمان کہ سب چلے جویں) یہ جہاد میں حکم عام کے لئے جانے میں ہے جو نہایت زبردست عبادت ہے کہ شہادت کی حضور نے بھی تمنا ظاہر فرمائی۔ اور بار بار فرمائی یہ سب کے جانے کی ممانعت اور کچھ کے تفقہ فی الدین میں منہمک ہونے کا حکم ہے

تفقہ فی الدین والوں کو تفقہ چھوڑ کر اور عارضی طور پر سے چھوڑ کر جہاد جیسی مقدس عبادت کے لئے بھی جانا پسند نہیں فرمایا۔ دنیوی کام کے لئے کس طرح کوئی جائز کہہ سکتا ہے۔ کہ تعلیم کے کچھ وقت کو ہٹا کر اس کام میں لگا دیا جائے کس قدر ناواقفی کی بات ہے یہ تو منشاء حکم الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔

مدارس میں صنعت و حرفت کیوں نہیں

(۹) صنعت و حرفت و اصول تجارت وغیرہ سب دنیوی کاموں سے یہی فسادات ہیں جو اوپر مثالیں گذرے۔

صرف و نحو کے قاعدوں سے تشویش

(۱۰) نصابی علوم و کتب کے بیان میں گذر چکا ہے کہ الفاظ قرآن و حدیث کے مفردات و مرکبات کے صحیح معانی استدلالی طریق سے جبھی حاصل ہوسکتے ہیں جب صرف و نحو کی مہارت ہو۔ اور پھر اصول صرف و نحو کو بھی استدلالی طریق سے حاصل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر ہر نقطہ قرآنی پوری طرح منکشف ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص کسی لفظ کا غلط ترجمہ کرنے لگے تو اس کو اصول سے اور اصول میں شبہ ہو تو دلائل اصول سے ثابت کیا جا سکے۔ اور کسی کو خورد برد اور تحریف وغیرہ کی گنجائش نہ دی جائے یہ اعتراض ان لوگوں کو پیش آتا ہے

جن کے دماغ میں انگریزی طرز تعلیم یا یورپ کے انس سے ان کا طرز جدا ہو رہے حالانکہ وہ تعلیم بے اصولی تعلیم ہے۔ اس کا طرز محض مہل ہے وہاں محض ترجمے یاد کرائے جاتے ہیں۔ جو ذہن سے نکلنے کے بعد بالکل غائب ہو جاتے ہیں تو اگر پھر کہیں سے غلط معنی مل گئے تو صحیح و غلط میں تمیز کا کوئی معیار بھی نہیں۔ ہمیشہ اسی غلطی میں مبتلا رہیں گے اگر کوئی شخص قصداً غلط مفہوم مراد لے تو بغیر اصول کے صحیح مفہوم کا صحیح اور غلط کا غلط ثابت کرنا اور دوسرے کو منوانا ناممکن ہے۔ اور خود بھی جو مفہوم سمجھا جاتا ہے اس کے صحیح ہونے پر اگر اصول سے نہیں ہوگا تو کوئی دلیل نہ ہوگی یہ احتمال رہے گا۔ کہ شاید یہ مفہوم جو ہم سمجھے ہیں صحیح نہ ہو۔ کچھ بیان اس کا موانع تعلیم کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے۔

اس لئے پوری طرح کسی کلام کو سمجھنا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اصول صرف و نحو و بلاغت و لغت معلوم ہوں۔ اور پھر ان اصول کا بھی صحیح فہم صحیح ہونا معلوم ہو یہ ان فنون کی کتابوں سے ہی معلوم ہو سکتا ہے اور ایک سے نہیں بہت بہت سے۔

چونکہ قرآن و حدیث سے احکام شرعیات ابدی ثابت ہوتے ہیں اس لئے ایک ایک لفظ کو اس طرح معلوم کرنا نہایت ضروری ہے یہاں زبان زبان کی حیثیت سے سیکھنا سکھانا منظور نہیں کہ غلط سلط بھی ہو جائے یا ایک دو لفظ غلط بھی ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں ایک ایک حرف کی صحت دلائل سے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس پر حکم الٰہی

کا مدار ہے۔

پھر ہمارے ملک کی زبان غیر عربی اور عربی نہایت مکمل نہایت وسیع نہایت جامع زبان ہے اس لئے اول تو خود اس کا حاصل کرنا اور زبانوں کے موافق نہیں۔ پھر دلائل سے حاصل کرنا اور زیادہ کام ہے جس کی اور زبانوں میں ان کے بے اصول ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں۔ پھر غیر اہل زبان کو حاصل کرنا اور کمال کی مانند ہے۔ اس لئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے بڑی محنت اور بہت مشق کی ضرورت ہے تب پوری طرح اور جیسے ضروری ہے اس طرح کلام فہمی کا ملکہ حاصل ہوگا اس تعلیم کو دوسری تعلیمات پر قیاس کرنا غلط ہے۔

اس سے ذہن کی تشویش و تخریب ان لوگوں کو نظر آتی ہے جو مختصر اور سطحی زبانوں کو حاصل کرتے ہیں اور کلام کی حقیقت سے ہی واقف نہیں۔ یہاں زبان کی حقیقت اور ہر ہر لفظ کے دلائل یا نئے لفظوں میں فلسفہ زبان ہوتا ہے۔ تشویش و تخریب کا عنوان جذبہ کو ڈرانے اور وحشت و نفرت پیدا کرنے کی واسطے پروپیگنڈے کے طریق پر استعمال کیا جاتا ہے ورنہ دنیا جانتی ہے کہ رفتہ رفتہ دماغی و ذہنی کام کی مقدار بڑھانے سے ذہنی ورزش ہو کر ذہن و دماغ قوی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ بے ضابطہ ایک دم ناقابل تحمل بار نہ ہو جائے نصاب میں اس کی بہت رعایت ہے۔ جس کو تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔

جو لوگ اس طرح زبان عربی حاصل کرتے یعنی عربی کو انگریزی طرز پر

سیکھتے ہیں وہ اسی طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مفہوم کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ اصول سے نابلد ہوتے ہیں اس لئے اصول سے ان کی تصحیح کر دینے پر بھی ان کی عقل اس کے حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو اپنی چرب لسانی سے گمراہ کرتے ہیں اس وقت اسلام کے لئے وہ لوگ زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں جنہوں نے کالجوں میں عربی پڑھی ہے۔ یا انگریزی کا عربی پڑھی ہے۔ اب جو کچھ غلط سلط پڑھ لیتے ہیں ان کے دماغ میں اتر جاتا ہے اور وہ خلاف حق خلاف اصول بالکل لغو و مہمل ہوتا ہے وہ اسی پر جم کر دنیا بھر کو اپنی صحافی کے رو میں بہائے جاتے ہیں۔ اور کسی طرح حق بات ان کے دماغ میں نہیں جچتی کیونکہ معیار صحت و غلط سے قطعاً عاری ہیں۔ اور عوام کو اپنے علم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈالنے کے لئے قرآن مجید پر ہاتھ صاف کرنے شروع کر دیا اور جسے دیکھئے تفسیر نام سے تحریف کئے چلا جا رہا ہے۔ آج ہمارے ملک میں ایسی تحریفیں بنام تفسیر کئی چھپ چھپ کر نکلتی اور مسلمانوں کو گمراہ بنا رہی ہیں اور ادب یا زبان کے شیدائی ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور اس طرح اپنے دین پر ڈاکہ ڈلوا رہے ہیں۔ اگر ایسی تدابیر مدارس دینیہ میں بھی جاری کر دی گئیں۔ تو یہ طلبہ بھی اسلام میں ایسے ہی خطرناک ثابت ہوں گے جیسے عربی کے بی اے اور ایم اے۔ یا رسمی مولوی فاضل و عالم فاضل وغیرہ۔

منطق و فلسفہ قدیم کی وجہ

(۱۱) منطق و فلسفہ قدیم کے متعلق بھی علوم و کتب کے ذیل میں مختصراً عرض کی جاچکی ہے اور اصل یہ ہے کہ قابلیت و علم کثرت معلومات کا نام نہیں ہے لوگ عام طور سے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ علم و قابلیت ایک نورانی کیفیت ہے جو قوائے دماغیہ کو حاصل ہوتی ہے اور معلومات میں غور و خوض کرنے سے باریک باریک باتیں دیکھنے اور پڑھنے سے ان کے سمجھنے میں ذہن کو لگانے سے رفتہ رفتہ ذہنی ورزش ہو کر ایک انجلائی کیفیت پیدا ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ دقیق دقیق باتوں میں ذہن کو لگانے سے یہ کیفیت بڑھتی ہے پھر جس قدر اور مشکل چیزوں میں دماغ سے کام لیا جائے گا۔ اسی قدر وہ ترقی کرتا جائے گا۔ شاعر کو شاعر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا شعور اوروں سے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک خاص قسم کے کام میں دماغ سے بہت کام لیتا ہے آپ وکلاء اور بیرسٹروں کو قابل سمجھتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ مقدمات کے دقائق میں غور و خوض کر کر کے دماغی ورزش سے یہ انجلائی کیفیت زیادہ حاصل کر لیتے ہیں جو صناع و حراف دماغ سے خوب کام لیتے ہیں وہ بہت عجیب عجیب چیزیں ایجاد کرتے ہیں اور معمولی بات یہ ہے کہ ہر تعلیم کے نصاب میں ہلکے ہلکے علوم کے بعد پھر مشکل اور دقیق دقیق اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ دماغ کام کا اور غور و خوض کا عادی ہو کر قابل بن سکے۔ علوم دینیہ کے لئے ذہن کے بہت تیز ہونے کی ضرورت ہے

اگر خلقۃً بھی تیز ہے تو چار چاند لگانے کے لیے ورنہ تیز کرنے کے لئے منطق و فلسفہ قدیم کی ضرورت ہے ان علوم میں جس قدر حقائق و دقائق ہیں وہ اوروں میں نہیں ہیں۔ جس قدر بال کی کھال یہاں نکلتی ہے دوسری میں نہیں دماغ و ذہن کو جس قدر ورزش یہاں کرنی پڑتی ہے دوسری جگہ نہیں یہ علوم دماغ کے لئے سان یا صیقل کا کام دیتے ہیں۔ دوسرے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ دن رات کی گفتگو اور ہر زبان کی تالیفات میں بہت سے وہ لفظ آتے ہیں جو فلسفہ قدیم اور منطق کی اصطلاحیں ہیں لوگ تو ان کو بے سمجھے استعمال کر لیتے ہیں مگر یہ علم کے خلاف ہے یہاں ان کو حقیقی مفہوم سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور پھر بعض عقل کے پرستار ان کی باتوں کو نقل کر کے دھوکے دیتے ہیں۔ اس لئے تردید کی ضرورت ہیں بعض کتابوں کی حاجت ہوتی ہیں۔ پھر مسلمانوں نے ان فنون کو مسلمان کر کے لیا ہے انگریزی نصاب کی طرح کفریہ باتیں جوں کی توں نہیں لیلی ہیں۔

کام چور، سہولت پسند بدمحنت طلبہ اس سے جان چراتے ہیں جن کے دماغ باقاعدہ حسب نصاب اچھی طرح کماحقہ حاصل نہیں کرتے وہ شروع کے نقص کی وجہ سے بعد کی باریکیوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ عام طور پر ان فنون پر اعتراض کرنے والے ناواقف یا اسی قسم کے لوگ ہیں اگر ان علوم کو خارج کر دیا گیا تو ذہن بلید ٹھوس رہ جائیں گے۔ چنانچہ جو طلبا یا جو علماً ان کو حاصل نہیں کئے ہوئے ہیں ان کے ذہن ایسے ثاقب نہیں ہوتے

جیسے پوری طرح حاصل کرنے والوں کیلئے اور معیاری عالم کے لئے ان چیزوں کی بہت ضرورت ہے یہ نہ رہیں تو معیاری عالم نہ ہوسکیں گے اور بقول علامہ طحطاوی ان کا علم ناقابل اعتماد ہوگا۔

ہاں ایک صورت اور ہے جس سے ذہن ثاقب فہم سلیم اور عقل مستقیم حاصل ہوجاتی ہے اس وقت ان علوم کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے اسلاف میں ان علوم کی بعض جگہ قطعاً اور بعض جگہ اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اس زمانہ میں اس کی بھی کمی ہے لہذا دونوں کی سعی سے امید ہے کہ توازن صحیح ہوجائے گا وہ یہ ہے کہ جیسے نصاب کے باطنی جز میں بیان ہوچکا ہے نسبت مع اللہ کی تحصیل کی سعی ہو۔ چونکہ علم ایک نورانی اور انجلائی کیفیت ہے وہ نور الٰہی کے اتصال سے اعلیٰ درجہ کی قوی کیفیت ہوجاتی ہے اور جیسے احادیث سے معلوم ہوچکا ہے اس سے علم لدنی حاصل ہوجاتا ہے۔ معقولات کی ممارست سے ان کے علوم وفنون کی کدوکاوش سے دقائق کے غور و خوض سے بھی وہ نورانی و انجلائی کیفیت حاصل نہیں ہوسکتی جو اس نورِ یزدانی سے حاصل ہوتی ہے کہ

بینی اندر خود علوم انبیاء ✵ بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے علوم مروجہ حاصل نہیں فرمائے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امی تھے۔ مگر حضور کے علوم تمام اولین و آخرین کے علوم کا مجموعہ اور سب کا منشاء ہیں۔ پھر حضور کے غلاموں میں لاکھوں سے بھی کہیں زائد تعداد اس کی ملے گی جنہوں

نے علوم مروجہ حاصل نہیں کئے۔ مگر دنیا ان کے علوم کا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت خلفاء و صحابہ اور اولیاء کرام سب اس کی دلیل ہیں۔ اس لئے نصاب کے باطنی جز کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ایک نظر مبارک حقیقی کیمیا تھی۔ جس پر ایک نگاہ پڑ گئی وہ اسی وقت سب سے زیادہ عالم سب سے زیادہ متقی سب سے زیادہ ہادی و مقتدا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ صحابی وہی ہے جس نے ایک بار بھی یا اس کو ایک بار بھی حضور اقدس نے دیکھ لیا ہے اور ہر صحابی کا یہ حکم ارشاد ہے۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کسی کی بھی تم اقتداء کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔) تو ایک نگاہ بلکہ ایک ملاقات ہیں کہ حضور کی نگاہ بھی نہ پڑے وہ زیارت کر لے سارے عالم کا ہادی ہو جاتا تھا۔ اب ہمارے پاس وہ کیمیا نہیں مگر ایسی ہستیاں اب بھی دنیا میں بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں جو یندہ یابندہ جن میں ایک آنچ کی کسر نہیں رہتی۔ واقعی کندن بنا دیتے ہیں مگر کچھ کچھ کام کرنا پڑتا ہے۔ کچھ آنچیں برداشت کرنی پڑتی ہیں پھر کندن ہی نہیں اکسیر بنا دیا جاتا ہے۔ مگر ظاہری علوم میں دلچسپی ہے اور اس میں اول اول مجاہدات ہیں۔ اسلئے ظاہری علوم سے انجلائی کیفیت کا حاصل کرانا طبائع کو سہل معلوم ہوتا ہے یہ بھی اور وہ بھی ہو جائے تو سبحان اللہ چنانچہ ان مدارس میں بحمد اللہ دونوں کا کوئی نہ کوئی جامع بھی ملتا رہتا ہے لاکھوں کے لئے کوشش در کوشش کرنے سے بھی اگر

دو چار رگل آئیں تو زمانہ کے فساد و عوائق اور گوناگوں مشکلات اور عدم یا قلت اسباب میں اسی کو بھی ملک و قوم کی خوش قسمتی سمجھئے کہ دوسرے ملکوں سے فوقیت نہیں لے گیا تو ہمسر تو ہے ہی بشرطیکہ دیکھنے والوں کی نظر میں اسلام و اسلامیات کی قدر و اہمیت ہو اور اسکی حقیقت تک نظر پہنچ سکے۔

تبلیغ و تصانیف وغیرہ کیوں نہیں

(۱۲) اس اعتراض کی حقیقت بھی اوپر ایک مستقل عنوان کے تحت میں گذر چکی ہے کہ آیت کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اثنائے تعلیم میں ایسے کاموں میں نہ لگایا جائے البتہ بعد تعلیم ایسے کاموں کی مشق کرانے کی ضرورت ہے جو تبلیغی ہیں اور تقسیم کار کے طریقہ پر انجمن تبلیغ کا قیام ضروری ہے لہذا اس کے دو درجے ہیں ایک ان کاموں کی مشق جس کو شعبہ تکمیل کہنا چاہیئے اور دوسرا انجمن تبلیغ گویا یوں سمجھا جائے کہ جس مقدار میں یہ کام ہونا چاہیئے وہ ان وجوہ کی بنا پر جو پہلے عرض ہو چکی ہیں مدارس میں نہیں ہو سکتا۔ البتہ مدارس کے تحت ان کی نگرانی میں ایسے دونوں شعبوں کے ہونے کی ضرورت ہے دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ایک عرصہ مدید سے شعبہ تکمیل کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلا رہے ہیں۔ مگر اب تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا تاہم کچھ کچھ کام شروع کر رکھا ہے اگر ذی حیثیت مسلمان اس طرف توجہ کریں اس مد میں خاص اعانتیں کریں تو

یہ کام اچھی طرح انجام پا جائے یا اہل اثر لوگ ان کو اس طرف متوجہ کریں
بیحسی کی وجہ سے ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہی
طلبہ بھیجے جاتے ہیں جن کے اعزہ کے پاس انگریزی تعلیم کا خرچ نہیں
ہوتا اسلئے اول تو والدین کو جلدی ہوتی ہے کہ بیٹا چند پیسے کمانے لگے۔
دوسرے لڑکے کو بھی حقوق کا احساس ہوتا ہے اسلئے وہ بھی جلد سے
جلد کسی ایسے مشغلہ میں لگنا پسند کرتا ہے جس سے والدین کی خستہ حالی
کا مداوا کر سکے لیکن پھر بھی اتنا ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کچھ وظیفہ دے کر
درجہ تکمیل کے لئے روک لیا جائے تو بہت سے رک جائیں گے اور پھر
جبکہ انجمن تبلیغ کے بھی متعدد شعبے ہوں گے ہر شعبے میں ان کو جگہ دی
جا سکے گی اور پھر ان میں سے اہل اور کام میں تجربہ حاصل کر لینے والوں
کے واسطے ملک میں اور بھی تبلیغی ادارے قائم ہو جائیں گے تو یہ سب
حضرات اپنی تمام عمریں دین کی خدمت میں سہولت سے لگا سکیں گے
اور کام بھی خوب ہو سکے گا۔

اور ضرورت اسی کی ہے کہ ان مدارس کے ماتحت ان کی نگرانی ہی
میں ایسے شعبے اور ادارے قائم کئے جائیں تاکہ کام صحیح ہو سکے ورنہ
جو لوگ اہل غرض مگر ہوشیار اور زمانہ شناس ہو جاتے ہیں وہ بعض ادارے
قائم کر کے ملک میں اور گمراہی اور غلط امور کی اشاعت کرتے ہیں ایسے
کام سب کی نظروں میں ہیں جو غلط اور بے راہی سے ہو رہے ہیں اور

"ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی"

اس وقت جس کو دیکھئے :: مصنف و مولف بن رہا ہے اور غلط سلط گمراہی کے مضامین اور کتابیں شائع کر رہا ہے بلکہ جو اٹھتا ہے وہ ناواقفی یا نقص یا خراب ماحول و فضائے مسموم سے متاثر ہونے کی وجہ سے یا خود گمراہ ہونے کی وجہ سے مذہب پر ہی حملے کرتا ہے غالباً آپ کی نظر میں بھی ایسی بہت کتابیں اور رسائل ہوں گے جو مذہبی کہلا کر بے مذہبی و گمراہی کے علمبردار ہیں ضرورت ہوگی تو ان کے نام تک پیش کر دیئے جائیں گے۔

چونکہ مذہبی مضامین سب نقلی ہوتے ہیں ان میں ایجاد و اختراع خطرناک راستہ ہے۔ کھلی بات ہے کہ دین تو اللہ تعالےٰ کا عطا فرمایا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے وہ ظاہر و باطن راجح و مرجوح ناسخ و منسوخ کی تنقیح کے ساتھ جو موجود ہے وہی دین ہے لوگوں کے دستوں کی تجویزیں خدائی دین کیسے ہو سکتی ہیں یہ تو خدا تعالےٰ پر یا ان کے نبی پر تہمت لگانا ہوا جو آیات و احادیث سے جہنم کا راستہ ہے۔ اور نقل بہت قابلیت اور بہت مطالعہ کی محتاج ہے اس لئے جو لوگ مدرسوں میں درس وغیرہ کے کسی کام میں مصروف ہیں یا ان کو اسقدر فرصت نہیں یا قوی آجکل عام ضعف کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں اس کام کے لئے ان مدارس کے ماتحت مستقل اہل علم کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ وقتاً فوقتاً اہل تجربہ و مہارت سے بھی رجوع کر سکیں اور کام درست اور حق و صواب کا ہو سکے۔ اس لئے ان شعبوں کی طرف اہل ثروت کو توجہ

کرنے کی اور اہل اثر کو ان کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ لوگ اعتراض تو کر دیتے ہیں کہ اعتراض سہل ہے مگر جو کام کرنے کا ہے وہ نہیں کرتے اگر آپ سے تبلیغی کام سرانجام نہیں پاسکتے تو ان کی اعانت و ذرائع اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کا کام تو ہو سکتا ہے آخر دین کا کام آپ کے بھی تو ذمہ ہے جس قدر بھی آپ کے بس میں ہے آپ دوسروں کو ہی ٹھیکہ دار کیوں سمجھ لیتے ہیں ۔ اور خود کو بری کیسے یقین کر لیتے ہیں ۔ دین تو سارے مسلمانوں کا دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے وقت ساری امت کے حوالہ کر گئے ہیں ۔ آخر اس بے انتہا عظیم الشان امانت کی حفاظت و بقاء کے متعلق ہر ہر مسلمان سے سوال ہوگا تو جو اب کیا ہوگا ۔ خصوصاً شفاعت کی امیدواری کے وقت کیا عرض کیا جا سکے گا ۔ اعتراض تو سہل ہے مگر ذرا یہ کہتے ہوئے اپنے گریبان میں بھی منہ ڈال لیجئے کہ آپ نے اس کام میں کیا کوشش کی ہے ۔

سیاست سے ناواقفیت

(۱۳۱) یہ بھی ایک مغالطہ ہے اصل یہ ہے کہ سیاست نام ہے ۔ انتظام عالم ۔ انتظام ملک ۔ انتظام شہر ، انتظام ادارہ ، انتظام خزانہ وغیرہ کا اور اس کی دو صورتیں ہیں سیاست اسلامی و غیر اسلامی سیاست اسلامی تو ان قوانین کا نام ہے جو اسلام نے انتظامات کیلئے مقرر فرمائے ہیں اس سیاست کے تمام احکام دینی تعلیمات میں موجود ہیں اور یہ

سب احکام علمائے دین کی نظر میں رہتے ہیں۔ ان کو مذہب سے خارج نہیں کہا جاتا ہے نہ ان حضرات کو ان احکام سے ناواقف کہا جا سکتا ہے چونکہ ملک میں ان احکام کا اجرا نہیں ہے اس لئے ہر وقت تمام احکام کا استحضار نہیں رہتا مگر معمولی سی توجہ سے بتائے جا سکتے ہیں۔

رہی سیاست غیر اسلامی تو اس سے ان کو واقفیت بیشک نہیں ہے۔ اور نہ ہونی چاہیئے کیونکہ جس کام کے لئے یہ ہیں اس میں ان کو ماہر ہونا ضروری ہے اور دوسرے کاموں میں ان کا دخل اپنے کام میں کمی پیدا کرنا ہے یہ تو گفتگو سیاست کے علم کے متعلق ہے رہا عمل تو وہ کام کے متعلق ہوتے پر ہوتا ہے جو اسلامی قاعدہ و قانون کے تحت ہو گا جس کام کے متعلق ہو گا۔

رہا یہ شور و شغب ہڑتالیں ۔ اسٹرائکیں اور جلوس یہ کوئی اسلامی کام نہیں یہ یورپ کی نقالی ہے اور کچھ نہیں اور مسلمانوں کا نقصان الگ ہے۔ ۸ کے آخر میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے تفقہ اور انذار کے لئے جس جماعت کے ہونے کو فرمایا ہے ان کو جہاد غیر عام میں بھی جانے کو منع کیا ہے جو عارضی مشغولی تھی اس لئے مستقل مشغولی سے بدرجہ اولیٰ ان کو ممانعت ہے اور چونکہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کو جہاد کے لئے جانے کو فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ اہل تفقہ فی الدین اور اہل انذار کے لئے تو سیاست اسلامیہ کا کام بھی پسند نہیں فرمایا۔ چہ جائیکہ غیر اسلامی سیاست، غیر اسلامی سیاست سے مراد یہ ہے کہ اسلامی قوانین پر نہ ہو خواہ مسلمانوں کے ہی حقوق کی حفاظت ہو۔

اصل یہ ہے کہ سیاست اسلامیہ کا مطلب بھی یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے عالم کی فلاح و بہبود کے واسطے جو احکام دینی و دنیوی ہر ہر ضرورت کے نازل فرمائے ہیں ان احکام پر عمل کرایا جائے جو نہ کرے اس پر سزائیں نافذ کر کے عمل کرایا جائے اس کے لئے محکمے اور عملے بنائے جائیں ایک جماعت کا کام تو احکام بتانا قوانین مرتب کرنا لوگوں کے دلوں میں ان کو پیوست کرنا ہے۔ وہ جماعت تفقہ و انذار والی جماعت ہے دوسری جماعت کا کام ان احکام پر لوگوں سے عمل کرانا ہے یعنی مقصود احکام دین ہیں اور سیاست اس پر عمل کرانے کیلئے ہے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ الایۃ مسلمان وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت دیں تو وہ نماز وغیرہ قائم کرائیں، تو سیاست احکام پر عمل کرانا ہے پہلی جماعت کو دوسری کا دوسری کو پہلی کا کام مناسب نہیں اسلئے سیاسی کام زعمائے قوم کا ہے اور دینی کام علمائے دین کا ہے۔ البتہ ایک سے دوسرے کا رابطہ اتحاد ہے علمائے دین دین کی اشاعت میں زعمائے قوم سے امداد لیں گے زعمائے قوم اس پر عمل کرانے میں ان سے دین کی معلومات اور ہدایات حاصل کریں یہ تقسیم عمل حق تعالےٰ نے فرما رکھی ہے اب تک ملک میں چونکہ سیاست اسلامیہ نہیں ہے غیر اسلامی حکومتوں کی طرح دار و گیر ہے مسلمانوں کی حفاظت کے کام ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر درجہ میں علمائے دین کا کام نہیں ہے زعمائے قوم کا کام ہے علماء کی علمی شرکت و دینی ہدایت ضروری ہے جس کے

وہ لوگ بھی مکلف ہیں جن کا یہ کام ہے کہ زعمائے قوم ان سے ہدایات لیں اور یہ بھی مکلف ہیں کہ ہر وقت ان کی ہدایات سے اعانت کریں لیکن اپنے اپنے فرائض میں کوتاہی کا زمانہ ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت بعض علمائے دین کو شرکت بھی کرنا پڑی لیکن آپ خود دیکھ لیں گے کہ کہ ان کی اس شرکت سے ان کے اصلی کام میں خلل واقع ہوا اور دوسرا کام بھی جیسا چاہیئے تھا انجام نہ دے سکے۔ حضرت مولینا تھانوی قدس سرہ العزیز نے اہل علم کو عملی شرکت سے صراحۃً منع فرمایا ہے۔ جو "افادات اشرفیہ" میں مذکور ہے۔

بیش از بیش آپ موجودہ سیاسی اکھاڑوں کو مبالغہ کر کے جہاد سے تعبیر کر دیں گے یا زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسیات کو اسلامی سیاست کہہ دیں گے تو اسی آیت میں حق تعالےٰ نے اہل تفقہ و انذار علماء کو اس کام کی بھی اجازت نہیں دی تفقہ اور انذار ہی کے کام میں لگایا ہے آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفقہ و انذار کا کام ایسا اہم ترین [illegible] کام ہے کہ اسے ایسے خالص اسلامی و دینی کاموں میں اور صرف عارضی طور سے لگنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کام ایسا نازک کام ہے کہ دوسری طرف کی عارضی توجہ سے بھی اس میں رخنہ پڑ جاتا ہے اس لئے اجازت نہیں دی گئی۔ اس سے آپ تمام اعتراضات کا جواب حاصل کر لیجئے کہ اس کام والوں کو کسی اور کام کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت نہیں یہ حکم اول زمانہ سے ہے قرن خیر سے ہے قوت ظاہری

و باطنی کے زمانہ سے ہے اور اس وقت سے ہے جب اس کام میں ایسے مواقع پیش نہ آتے تھے جو اب آتے ہیں اُس عصر سے ہے جس عصر کا دین کا شوق بے انتہا تھا کہ اس وقت کے اہل طلب و علم کی شرکت سے بھی علم میں زیادہ خلل کا خطرہ نہ تھا اور اب کہ یہ سب باتیں بدل گئیں نہ وہ خیر و صلاح نہ وہ قوت ظاہر و باطن اور موانع بہت بہت اور شوق کے بجائے بدشوقی تو اب تو ایسے امور کی طرف متوجہ کرنا بالکل سم قاتل ہے۔

تحریکات خلافت کے زمانہ سے اب تک جو اس قسم کے شور و شغب سے طلبائے علوم دین متاثر ہوئے ہیں سب اہل مدارس کو اس کا تجربہ ہے کہ تعلیمی حالت روز بروز گرتی جارہی ہے منتظمین کوشش کرتے کرتے تھک گئے مگر یہ تخریبی ایک حملہ ان کی تمام تعمیری کوششوں کو بے کار کر دیتا ہے یہ ان مسلم لیڈروں کی عنایت ہیں جو اپنی کم فہمی سے طلبائے علوم دین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ساعی رہے ہیں اگر کچھ عرصہ یہی ہڑ لونگ رہی تو عجب نہیں کہ معیاری علمائے دین بننے کا سلسلہ قیامت تک کے لئے بند ہو جائے اور وہی زمانہ آجائے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب علم اُٹھ جائے گا کہ پہلے علماء وفات پا جائیں گے اور نئے عالم بننے بند ہو جائیں گے۔ بعض اہل بصیرت کا خیال اب بھی یہ ہے کہ علمائے دین بننے بند ہو گئے ہیں اگر اب بھی مدارس کو ان سے پاک نہ کیا گیا تو یہ سب کے مشاہدہ میں آجائے گا۔

تعلیم بطریق املا

(۱۵) چونکہ کالجوں میں اس کا رواج پڑ گیا ہے کہ پروفیسر گھنٹہ بھر کے لئے آکر ایک تقریر کر دیتے ہیں اب بے سوچے سمجھے تقلید کرنیوالوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بھی کوئی اچھا طرز تعلیم ہوگا اس لئے اس کی ضرورت بتانے لگے حالانکہ اس کے غلط ہونے کا اندازہ ہر شخص اس سے لگا سکتا ہے کہ جب اس نے کسی کی تقریر سُنی ہے تو وہاں سے اُٹھنے کے بعد اس کے دماغ میں تقریر کا کتنا حِصّہ رہ جاتا ہے اور ممکن ہے کسی بہت قوی الحافظہ کے ذہن میں کچھ رہ گیا ہو تو اس کا اندازہ کیجئے کہ پورے مجمع میں سے کتنے لوگ ایسے ہوں گے جن کے ذہن میں کچھ رہ گیا ہو بخلاف اس کے کہ کتاب کسی کے سامنے ہو اور اس کتاب کو مفصل و مشرح کر کے کوئی سامنے رکھے تو وہ قریب قریب سب کا سب اور سب کے ذہن میں رہ جائے گا۔ ایسی کھلی بات ہے مگر یورپ کے شیدائیوں کے دماغ میں یہ بات نہیں جمتی اور وہ غلط طریقہ جم جاتا ہے حیرت ہے کیسے آنکھیں بند کر لی گئیں۔

پھر نیم مولوی صاحبان نے اس کو اسلامی رنگ دیا کہ "اسلاف میں املا کا درس ہوتا تھا کہ استاد لکھوا دیتا تھا طلبہ لکھ لیتے تھے پھر خود ہی اس کا یہ جواب دیا کہ کہا جا سکتا کہ اس وقت کتابیں نہ تھیں اس لئے ایسا ہوتا تھا پھر فرماتے ہیں یہ صحیح مگر علوم کو کتاب میں منحصر کر دینا کیا

اچھا ہے۔" ایسی لغویات کہتے ہوئے ان لوگوں کو یہ شرم بھی نہیں آتی کہ سننے والے کیا کہیں گے کہ املاو اپنے بول بول کر کتاب لکھوا دیں تو علوم کتاب میں منحصر نہ ہوں اور سوچ سمجھ کر تحقیق و تفتیش کے بعد کسی ماہر فن مصنف نے کتاب لکھی تو بھی علوم کتاب میں منحصر نہ ہوئے۔ اب اگر کتاب کوئی دیکھے تو علوم کتاب منحصر ہو گئے ایک گھنٹہ ایک شخص علوم بیان کر کے چل دے تو علوم غیر منحصر نہ وقت میں منحصر نہ اس کے دماغ کے احاطہ میں منحصر اور کتاب سامنے رکھ کر وہی تقریر جامع کر دے تو علوم منحصر ہو گئے سبحان اللہ کیا علمی نکتہ ہے۔ بس یہ ضرور ہے کہ کتاب سے کچھ اس کے پلے پڑ جائے گا اگر کچھ حاصل نہ ہو یا کچھ ذہن سے نکل جائے تو اس کو کتاب سے سمجھ لے گا کہ یہ بات ذہن سے جاتی ہی کتاب سامنے ہو اور رجل ہو جائے تو علم قابو میں آگیا جب کچھ ذہن سے نکلنے لگا۔ کتاب سے اس حل کی بنا پر پھر اخذ کر لیا مگر تقریر میں جو یاد رہ گیا رہ گیا جو نکل گیا نکل گیا اور عالم بن گئے واہ واہ۔

بات یہ ہے کہ اول اول جب کتابیں مدون نہ تھیں علماء کتابیں لکھوا دیتے تھے وہ کتابیں اب بھی اَمَالی کے نام سے بعض بعض ملتی ہیں پھر تصنیف و تالیف شروع ہوئی ظاہر بات ہے کہ ایسی فوری کتاب سے وہ کتاب بہت بہتر ہوگی۔ جو تحقیقات سے اور فرصت میں لکھی جائے اسلئے امالی قسم کی کتابیں بالائے طاق رکھ دی گئیں کوئی ایک دو ملتی ہے مگر ان سے بہتر کے وجود نے ان کو صرف یادگار سلف کے طور پر رہنے

دیا ہے پھر جب کتابیں مدون ہو گئیں تو چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استاد صرف رہنمائی کرتا ہے ۔ اور اصل کام استعداد میں خود طالب علم کا ہے وہ صرف طریقہ کام کرنے کا بتا کر صحت و سقم سے مطلع کرے گا اور کام سب طالب علم کو کرنا ہوگا اور جس قدر کام شاگرد اپنے دماغ سے لیگا اسی قدر اس کی استعداد بڑھے گی اس لئے یہ طریقہ رائج ہوا کہ طالب علم کتاب نقل کر کے لاتا اور خود مطالعہ کر کے استاد کو تھوڑا سا سناتا اگر اس نے اس کو صحیح بیان کر دیا تو استاد کہتا کہ صحیح ہے آگے چلو ورنہ کہتا کہ غلط ہے پھر حل کر کے لاؤ اور حل کرنے کے طریق میں اس کو ہدایات دیتا پھر اس کے بعد جب کم ہمتی بڑھی تو اساتذہ نے کچھ بتانا بھی شروع کر دیا اس اعانت سے ان کو حقیقت میں نقصان پہنچا کہ پہلے وہ کتاب پر پوری طرح از خود حاوی ہوتے تھے اور وہ ان کے ذہن میں پتھر کی لکیر ہو جاتی تھی اب اس میں ذرا کمی آگئی پھر اور کم ہمتی و کم شوقی ہوئی تو اور ترقی ہوئی آخر مطابع ایجاد ہوئے اور کتابیں لکھنا چھوٹ گئیں اس کی ہمت بھی کم ہو گئی ۔ استعدادوں میں اور فرق پڑنے لگا کہ پہلے نقل سے کتاب پر اجمالی عبور ہوتا تھا پھر خود غور کرنے سے عبور ہوتا تھا اساتذہ کے بیان کے اس طرز سے اور بھی اس غور میں یہ کمی ہوئی کہ بقیہ اساتذہ بتا دیں گے اس طرح کم کم غور ہونے لگا اور پھر آخر کتابوں میں حل ات رہنے لگے تو علمائے شرحیں اور حاشیے لکھے طلبا ان کو نقل کر کے استعداد بڑھاتے رہے مگر ذہن کی ورزش میں کمی آگئی پھر وہ بھی پریس میں آگئیں اور پھر کم ہمتی یہ ہوئی کہ ان کو دیکھنا مشکل ہو گیا تو مختصر

حواشی لکھے جانے لگے ادھر اساتذہ نے تقریریں لمبی کر دیں حتیٰ کہ پھر کتابوں پر اعراب اور ترجمے وغیرہ ہونے لگے آخر استعدادوں کا نام ہوگیا طلباء کے دماغوں کی ورزش کم ہوگئی استعداد کم ہوتی گئی حتیٰ کہ معدوم ہوگئی ان استعدادوں کے گھٹنے کے سبب وہ تاجر بھی ہوئے ہیں جنہوں نے طلبہ کی سہولت اور فرمائش کی وجہ سے اعراب لگا کر اور تراجم کرا کے کتابیں شائع کیں۔ اور پھر وہ مدرسین وہ اہل مدارس ہوئے جنہوں نے کم استعداد طلبہ کے سامنے لمبی لمبی تقریریں کیں اصل مطلب کے ساتھ اور اور باتیں پورے فن کی یا دوسرے فنون کی باتیں بتائیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کتاب کے اصل مطلب سے بھی محروم ہوگئے طویل تقریریں نہایت قوی الاستعداد ایسے طلبہ کے لئے تو مفید ہیں جو کتاب کو پوری طرح خود سمجھتے ہوں خود مصنف اور اہل فن پر قوی قوی اشکالات وارد کر سکتے ہوں ان کیلئے بڑی بڑی تقریریں مفید ہو سکتی تھیں مرکزی مدارس ہیں چونکہ کچھ نہ کچھ طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں وہاں ایسی تقریریں جائز ہو سکتی ہیں گو عام مفید نہ ہوں گی البتہ ان کے مدرسوں کی استعداد علمی کی ترقی کے لئے بہت نافع ہوں گی اور مدارس کا یہ مقصد کہ تجربہ علماء حاصل ہوں پورا ہو سکتا ہے دیوبند و سہارنپور میں معتبر علماء اسی سے حاصل ہوئے ہیں اور ذی استعداد طلباء کو پہلے اس سے فائدہ پہنچا ہے مگر کم استعداد کے طلبہ اصل کتاب سے کورے رہ گئے

سنا ہے ایک حکیم صاحب نے بزعم خود ایک نسخہ بنایا خیال ہو کہ اس کو یاد ہوگیا ہوگا تو نسخہ ہی ہاتھ سے گیا پوچھا تو اس نے سبق دیا پریشان ہوئے آخر یہ حکمت کی کہ اس سے کہا کہ میاں اتنے مرتبہ تم بار

پاس رہے ہو ہم مر جائیں گے تو تم کہیں پریشان نہ ہو آؤ دو چار کارآمد نسخے تمہیں بتا دیں یاد کر لو کام آئیں گے۔ وہ بہت خوش ہوا نسخے بتا دیئے پھر چند روز کے بعد پوچھا تو اُسے ایک بھی یاد نہ تھا۔

یہی حال ہمارے ان طلبہ کا ہو جاتا ہے جن کو کم استعدادی پر طویل تقریر ملتی ہے جب کتاب ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی یہ حال ہوتا ہے تو اب خیال فرمائیے کہ صرف ایک تقریر سے ہزاروں باتیں سنکر ان کے پاس کیا رہ سکتا ہے۔

مگر بڑے کالجوں میں ذی ثروت طلبہ ہیں امتحان کی کامیابی پر معاش کا اور خرچ کی اضاعت کا مدار ہوتا ہے ان تقریروں سے تو ان کے دماغ میں خال خال ہی کچھ رہتا ہے ٹیوشنوں پر ماسٹروں کو روپیہ دے دیکر اپنی مصیبت کا درمان کرتے ہیں اور بہت ممکن ہے ماسٹر صاحبان نے بھی ٹیوشن کا سلسلہ بنانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی ہو عربی مدارس میں نہ ذی ثروت ہیں نہ ایسے امتحان کی کامیابی پر مجبور اس لئے یہاں اگر ایسا کیا گیا تو بالکل کورے رہ جائیں گے حالانکہ ان صاحبوں کو یہاں زبردست قابلیت نہایت زبردست ذہنیت نہایت زبردست علم کی ضرورت ہے جو ذہن و دماغ سے بہت کام لینے سے ہی حاصل ہوتا ہے ضرورت تو اس کی ہے کہ موجودہ روش میں بھی تبدیلی کر کے قدیم طرز تعلیم کہ طلبہ خود مطالعہ کر کے سبق کو حل کر کے خود سنایا کریں اور استاد صرف ہاں یا نا کر دیا کرے یہ نہ ہو تو موجودہ صورت رہے نہ کہ علوم کو ہوائی بنا کر دماغ پر ان کا ضبط محض کر دیا جائے اور نام عالم کر دیا جائے۔

ادب و انشا کیوں نہیں

(۱۶) جو وجوہ شک کے جواب میں عرض کیئے گئے ہیں یہاں بھی مقصود کئے جائیں اصل استعداد کلام کا صحیح صحیح دلائل و براہین کے ساتھ سمجھنا ہے اور تفقہ فی الدین میں ہی درکار ہے عربی نویسی ایک مشقی چیز ہے جیسے کہ اُردو نویسی بھی کہ بہت سے لوگ نہایت قابل ہوتے ہیں مگر مضمون نویسی کی ان کو مشق نہیں ہوتی۔ اس لئے ذرا سا اردو کا مضمون مشق کے نہ ہونے سے نہیں لکھ سکتے حالانکہ زبان بھی مادری ہے۔

دوسرے یہ مدارس دینی ہیں عربی نہیں ہیں اسلئے یہاں عربیت زبان کے طریق پر نہیں سکھائی جاتی ہے کلام اللہ و کلام الرسول کے پوری پوری طرح سمجھنے کے لئے سکھائی جاتی ہے اسلئے انشا کا نہ ہونا مضر نہیں۔

تیسرے یہاں اس شے سے بچانا ضروری ہے جس میں دلچسپی ہو کر اصل کام میں ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے ظاہر ہے کہ وقت محدود ہے جب دوسرے کام میں کچھ نہ کچھ لگے گا وہ وقت اصل کام سے نکل جائیگا۔ اور اس سے جو نقصان ہوگا اصل میں مضر ہوگا اس کا شوق ہو کر اصل سے کم شوقی ہوگی۔ اُدھر سے توجہ ہٹ جائے گی علم کے کمال میں فرق پڑے گا اس لئے یہ کام اصل مقصد کے لئے مضر ہوتا ہے اور ضروری ویسے بھی نہیں کیونکہ فراغت کے بعد ذرا سی مشق سے

اور اکثر بلا مشق بھی آجاتا ہے۔ کم استعدادی میں بہت مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ استعداد پر بہت تھوڑی کافی ہے لہذا اگر بعد میں کوئی ضرورت پیش آئی تو فوراً اسی توجہ سے حاصل ہو سکتی ہے مگر اس وقت خطرہ سے خالی نہیں۔

چوتھے یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ ادب کو ان مدارس میں داخل کرنے سے غرض کیا ہے۔ علوم کے بیان میں عرض کیا جا چکا ہے کہ کلام اللہ و کلام رسول کا فہم جس پر موقوف ہے یا جو اس میں معین ہے وہ علم یہاں مقصود ہے مفردات الفاظ کی ہیئات علم صرف پر اور مادہ لغت پر موقوف ہے مرکبات نحو پر اور احوال مرکبات بلاغت پر علم ادب کے بارہ اجزا میں سے جو آٹھ اصول ہیں ان میں سے انہی چار پر ادب کا زیادہ مدار ہے صرف و نحو و بلاغت مستقلاً ہوتے ہیں لغت کی رٹائی بہت مشکل کام ہے اس لئے ادب کی کتابیں لغت کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اسی وجہ سے ایسی کتابیں جن میں لغت بہت استعمال ہوتے ہیں جزو نصاب ہیں اور وہ بھی وہ کہ جن کے مضامین لغو ہیں تا کہ ذہن کو دو طرف بیک وقت متوجہ ہونا نہ پڑے انہی کتابوں میں استعمالات و فروق وغیرہ معلوم ہو کر لغت حاصل ہوتا ہے یہاں کے ادب سے وہی ادب مقصود ہے جو کلام فہمی میں بڑی استعداد پیدا کرے عیاش دماغوں کے واسطے مطرب بنانے والا ادب ان مدارس میں جگہ پانے کا حقدار نہیں ہے اس لئے نثر میں نفحۃ الیمن اور مقامات حریری

ہے جن سے لغات خوب معلوم ہوتے ہیں انشا پردازی نہ مقصود نہ معین مقصود فقط طرب انگیز شے میں کیوں وقت لگایا جائے اور ایک دلچسپ چیز لوگوں کی واہ واہ والی نمائشی چیز میں لگا کر اصل سے بے رغبتی یا کم رغبتی پیدا کر کے نقص کا سامان فراہم کیا جائے اور نظم بھی حماسہ و معلقہ جاہلی اور دیوان متنبی متاخرین کے استعمالات و لغات کے لیے ہیں حضرت عمرؓ کا فرمان ہے علیکم بدیوان العرب فان فیھا معانی کتابکم (عرب کے دیوان کو ضروری رکھو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب قرآن شریف کے معانی ہیں) اس لئے ادبی کتابوں کا مقصود معانی کتاب اللہ و کتاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے اس کے لئے جس قدر کی ضرورت ہے وہ نثر و نظم کی موجودہ کتابوں سے حاصل ہے دعوای عربیت اور نمائش ادب سے یہاں سروکار نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیئے آپ ہی بتائیے کہ اگر نشاء لکھنے لگیں نظمیں کہنے لگیں گو بہت بسوں کو یہ سب باتیں بلا اس خاص اہتمام کے بھی حاصل ہو جاتی ہیں تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ لوگ واہ واہ کردیں۔ جیسے مشاعروں میں ہو جاتا ہے اور فائدہ کیا ہوگا ممکن ہے یہ خیال ہو کہ اس سے عربیت سے مناسبت ہوگی عربیت سے دلچسپی ہوگی عربیت کی استعداد بڑھ کر کلام فہمی میں معین ہوگی تو میں عرض کروں گا کہ اس میں بھی کچھ غلط ہو رہا ہے سخن فہمی الگ شے ہے سخن گوئی الگ نہ ہر سخن گو سخن فہم ہے نہ ہر سخن فہم سخن گو ہمارے اس مقدس مقصد کے لئے سخن فہمی کے کمال کی ضرورت ہے سخن گوئی کی قطعاً نہیں اس سے تو عربی گوئی سے

بہت مناسبت و دلچسپی ہو گی اور عربی فہمی سے کم کم اور عربی فہمی کی مشق سے لامحالا فہم زیادہ ہوگا اور دوسری طرف دلچسپی اور واہ واہ کی وجہ سے جو وقت اور توجہ یہاں لگتی وہ نہ لگے گی نقص پیدا ہوگا پھر اگر کسی کی طبیعت کو بدرد غلت عربی گوئی سے مناسبت ہو گی تو خود بخود آجائے گی اس کے بعد اگر وہ کبھی ذرا سی مشق کسی ضرورت سے کرے گا تو عمر بھر کے مشاقوں سے آگے نکل جائے گا بشرطیکہ وہ ایسے بے فائدہ کام میں عزیز وقت کو لگانے کے لئے تیار ہو چنانچہ ان مدارس سے بعض ایسے حضرات بھی نکل چکے ہیں۔

جدید مدرسوں کی تقلید

(۱۰) یہ لوگ تو دینی مدارس کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان ترمیم شدہ نصاب والے مدارس کی تقلید کریں اور ہم ان مدارس کو اس دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ طرز و نصاب کی تبدیلی سے دینی مدارس کا حال وہ ہو جائے گا جو ان کا ہوا ہے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم :: نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

دیندار حضرات تو ان مدارس سے خوب واقف ہیں ہی میں اور بھی سب حضرات سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہی ذرا انصاف سے اور غور کر کے اپنی اسلامی شان کو سامنے رکھ کے اسلام و اسلامیات کی پوری طرح حفاظت کے فرض کو محسوس کر کے اور پھر مدارس دینیہ اور علمائے دین کے نصب العین و مقاصد اور ان کے صحیح کاموں کو پیش نظر رکھ کر اور

عام دین کے علم و تقویٰ کے معیار پر نگاہ رکھ کے اپنے ہی دل سے پوچھیے کہ آج تک ایسے مدارس سے یہ مقاصد یہ فوائد یہ دینی کام یہ دینی خدمات یہ صحیح دین کی حفاظت و خدمت کبھی ہوئی ہے آج تک ان سے سینکڑوں ہزاروں آدمی تیار کرنے پر کوئی ایک ایسا معیاری عالم متبحر علوم دینیہ کا ماہر تقویٰ و طہارت میں ممتاز خود اعلیٰ درجہ کا دیندار اور اعلیٰ درجہ کا دیندار بنانے والا صحیح دین سمجھ کر صحیح دین پہنچانے والا جس کو وارث انبیاء کہا جا سکے عابد زاہد متقی خاشع خاضع بنا ہے۔ بلکہ اگر انصاف سے علوم صحیح کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان مدرسوں سے نکلنے والے یورپ کے اثر سے متاثر صحیح علم دین اور تقویٰ سے خالی ہونے کی وجہ سے ایسے مضامین لکھ مارتے ہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کی جگہ کھلم کھلا گمراہی کا سامان فراہم کرتے ہیں اور علمائے حق کو ان کی تردید کرنی پڑتی ہے اس لئے ان کا کوئی مضمون اور کوئی تقریر و تالیف بھروسہ کی نہیں ہوتی ناقص علم کی وجہ سے غلطیوں سے لبریز ہوتی ہے۔ مگر عام لوگ اس کو کم محسوس کرتے ہیں ماہرین دین سے پوچھئے وہ خوب جانچ سکتے ہیں۔

جو لوگ ان پر اعتبار کر لیتے ہیں گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اخباروں کے ایڈیٹر سیاست کے لیڈر اسکولوں کے ماسٹر کچہریوں کے کلرک عالم نام صورت میں مسٹر یعنی ہر طرح والے لوگ بنا دیئے ہیں مگر ایسا بھی کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے

"صد شکر کہ اکبر تو کسی ٹھپہ میں نہیں ہے۔"

اب اگر آپ لوگوں کا یہی منشا ہے کہ ان مدارس دینیہ میں بھی ٹرٹر ہی ہو! ور دین صحیح کا جاننے والا دین صحیح کا بتانے والا صحیح دین کا صحیح پیرو نمونہ سلف وارث انبیاء مقدس صورت مقدس سیرت محافظ اسلام و اسلامیات ایک بھی پیدا نہ ہو اور سارا ہلک ان امور سے خالی ہو کر اسلام و اسلامیات کا نام ہی نام رہ جائے بلکہ اغیار کی کوششوں اور اثرات سے متاثر ہو کر نام تک نہ رہے تو کیا آپ کی یہ کوشش اس غلط مقصد کے موافق نہ ہو گی۔

مگر جب تک پاک ملک میں کچھ لوگ بھی دین و دینیات کے شیدائی ہیں اور مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح اسلام و اسلامیات سے ہی وابستہ جانتے ہیں اس وقت تک تو اپنی زبان کو کام و دہن میں رکھنا اور اس کام سے ذہن کو خالی کرنا چاہیئے کہ نہ مسلمان اس کے لئے تیار نہ مدارس۔

صرف و نحو اُردو میں کیوں نہیں

(۱۸) فارسی کی ضرورت علوم نصاب کے تحت میں عرض کی جا چکی ہے یہ اشکال کہ ذہن پر دوہرا بار ہو گا اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان صرف و نحو کی کتابوں کو ایسے وقت پڑھایا جاتا کہ فارسی مطلق نہ آتی اور انہی سے فارسی تعلیم کا کام لیا جاتا حالانکہ کوئی مدرسہ ایسا نہیں کرتا فارسی صرف نحو اور متعدد کتابیں تقریباً گلستاں تک پڑھا کر صرف عربی کی سب

سے پہلی کتاب میزان الصرف دی جاتی ہے جن کو گلستان کی فارسی اور میزان الصرف کی فارسی کی خبر ہے وہ کسی طرح اس کا احتمال بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ گلستان کے بعد یا ساتھ ساتھ میزان میں کوئی اشکال طالب علم کو رہ سکتا ہے پھر صرف عربی کا فقط ایک سبق اور گلستان کے بعد فارسی کی اور بہت سی متعدد اور مشکل مشکل کتابیں ہوتی رہتی ہیں چونکہ فارسی سے عربی کی مناسبت ہو جاتی ہے عربی میں فارسی کی کچھ کچھ مناسبت چند سے رکھنا مناسب ہے تاکہ عربی و فارسی میں جو قواعد نحویہ وغیرہ کا اشتراک ہے اس میں صرف عربی حاصل کرنے سے فارسی استعداد اور مناسب ہونے کی وجہ سے کچھ عربی استعداد و مناسبت بڑھ جائے جس طرح بعد کے فنون میں عربی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں حالانکہ وہ فنون اردو میں بھی ہو سکتے ہیں اور عربی صرف ادب وغیرہ میں رکھی جا سکتی ہے مگر ان فنون کو عربی میں پڑھانے سے عربی فہمی کی استعداد برقرار رہتی یا بڑھتی رہتی ہے ایسے ہی فارسی میں پڑھانے کو سمجھ لیجئے کہ اس سے فارسی استعداد اور اس کی مناسبت سے عربی کی مناسبت و استعداد برقرار یا ترقی پر رہے گی یہ تجربہ بھی ہے اور عقلی بات بھی ہے آپکا مشورہ بے تجربہ ہے

کیا بلاغت کی دلائل اور عجاز ضروری ہے

(۱۴) بلاغت کے فن میں ان مدارس میں تین کتابیں داخل درس ہیں۔ تلخیص المفتاح۔ مختصر معانی۔ مطول مولانا ابوالکلام صاحب نے آخری دو کتابوں کے مصنف پر کسی غیظ کا اظہار ایسے کیا ہے۔" علوم الہیہ میں

ایک جگہ فن معانی کی ہے لیکن آج کل اس فن میں علامہ تفتازانی کی کتابیں مختصر معانی اور مطول پڑھائی جاتی ہیں۔ ان شرحوں میں بات سلجھنے کے بجائے اُلجھ گئی ہے میرے خیال میں علامہ کی کتابوں کا رواج اس سے ہوگیا کہ اس زمانہ میں ان کا اثر بہت تھا کیا وجہ ہے کہ آج جبکہ ان کتابوں سے بہتر کتابیں مثلاً دلائل الاعجاز چھپ گئی ہے اور عام طور سے ملتی ہے نہ پڑھائی جائے" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے جب کبھی یہ دونوں کتابیں پڑھی ہونگی۔ اس وقت سرسری پڑھی ہوں گی بے ترتیب پڑھی ہوں گی ان سے دلائل سمجھ میں آئے نہ ہوں گے طبیعت اُلجھ کر رہ گئی ہوگی اور ان سے ایسا انقباض ہوا کہ پھر اُٹھا کر دیکھنے کی نوبت نہیں آئی دلائل الاعجاز اب نئی نئی نظر پڑی ہوگی اب کی اور جب کی استعداد میں بہت تفاوت ہوگیا ہے وہ دل میں کھب گئی ورنہ اصل یہ ہے کہ اصل مسائل تو پہلے متن ہی میں پڑھائے جاتے ہیں تلخیص میں وہ ذہن نشین ہوجاتے ہیں پھر مسائل وہی ہیں مختصر معانی میں ان کے دلائل مگر مختصر مختصر آتے ہیں پھر مطول بھی تلخیص ہی کی شرح ہے اس میں بھی انہی کے مسائل و دلائل ذرا تفصیل سے آتے ہیں اس طرح درجہ بدرجہ فن کے اصول پھر دلائل مختصرہ بھی دلائل مفصلہ حاصل ہو کر فن مستحکم ہوجاتا ہے اور دلائل الاعجاز میں مسائل و دلائل مخلوط ہیں اور بہت سے مسائل ضعیف بھی ہیں جن پر سکاکی وغیرہ نے بحثیں کی ہیں اور قزوینی نے ان میں محاکمہ کیا غیر ضروری عبارات و مسائل کو حذف کر کے سکاکی نے اس مضمون کی تلخیص کی ہے۔

نصاب میں یہ تنقیح شدہ کتاب ہے علامہ تفتازانی نے مزید تنقیحات اور دلائل کے ساتھ شرح فرمائی ہے اسلئے دلائل الاعجاز سے جو فن کی اول اول کی کتابوں میں سے ہے یہ کتابیں تنقیح و توضیح اور مستحکم دلائل کی وجہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ غالباً مولانا کو یہ خیال نہیں رہا کہ کتاب گو اب چھپی ہے مگر ہے بہت قدیم اور غیر تنقیح شدہ اور شاید تفتازانی کی کتابوں کی خوبیاں کسی سابق عارض سے نفرت کی وجہ سے مخفی رہ گئیں جو لوگ اکثر اوقات ان کتابوں کو استعمال کرتے ہیں وہ اس فرق کو خوب جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب عربی سے فارسی اردو میں علم بلاغت انقل تو اسی تلخیص المفتاح کو نقل میں اصل قرار دیا حدائق البلاغت و تذکرہ البلاغت وغیرہ سب کتابوں سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مسئلوں کی توضیح میں بھی علامہ تفتازانی کی تفصیلات و دلائل سے کام لیا گیا ہے۔ حدائق البلاغت فارسی اور تذکرہ البلاغت اردو میں بلاغت کے سب مضامین تلخیص المفتاح کی ترتیب و تنقیح والے ہیں صرف مثالوں کا فرق ہے کہ وہاں عربی اشعار سے مثالیں تھیں ان میں فارسی اردو اشعار سے ہیں۔ یہ اس کی مقبولیت اور افادیت کی صاف دلیل ہے۔ حتیٰ کہ سینکڑوں برس ہو گئے کہ تلخیص کی خود اس کے مصنف کی لکھی ہوئی نفتریبی شرح ایضاح سے بھی زیادہ اہل فن نے اور اہل علم و مدارس نے ان کو افضل و مقبول قرار دیا ہے۔

سرسری نظر سے کتاب کو دیکھ لینا اور شے ہے اس سے سرسری رائے قائم ہو سکتی ہے تفصیلی اور بار بار کی نظروں سے حقیقت منکشف ہوتی ہے

جو ان لوگوں کو حاصل ہے۔ جو درس تدریس میں مشغول ہیں تجربہ ان کو ہے دوسروں کو نہیں۔ یہی حال دوسری کتابوں پر اعتراضات کا ہے مگر اہل تجربہ پھر بھی معمولی رد و بدل جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے رہتے ہیں کہ یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ تغیر و تبدل نہ ہو سکے مگر نہ ایسا تغیر کہ مفید کی جگہ مضر ہو راجح و قوی جگہ مرجوح و ضعیف مضامین ہوں۔

بھوکی قوم میں بھیک منگوں کا اضافہ

(۲۰) بڑا اعتراض نہایت اہمیت سے کیا جاتا ہے اور غالباً بقیہ تمام اعتراضات کا منشا بھی یہی ہے کہ علماء دین کے طبقہ کو جس طرح ہو سکے معاشیات میں لگایا جائے اسی کے واسطے انگریزی ہندی سائنس جغرافیہ تاریخ اور صنعت و حرفت وغیرہ کی اسکیمیں بنائی جاتی ہیں اور یہ اعتراض قریب ہر شخص کے منہ پر ہے بعض لوگوں کے کہنے سے ذہنوں میں ایسا جم گیا ہے کہ اب سب اس میں مبتلا ہیں حتٰی کہ طلباء علوم تک پر اس کا یہ اثر ہونے لگا ہے کہ ان کے شوق پست اور کوششیں سست پڑ گئی ہیں جسکو اُوپر موانع تعلیم میں عرض کیا جا چکا ہے اس لئے اس پر ذرا مفصّل بحث کی ضرورت ہے تب حقیقت معلوم ہو گی اور دیانتداری اور اسلامی جذبہ کے ساتھ فرض شناسی اور مسلمانوں کی حقیقی فلاح و بہبودی کو سامنے رکھ کر سننے کی ضرورت ہے اُوپر کے کلام میں مختلف جگہ بھی کچھ باتیں گذر چکی ہیں کچھ اب عرض ہیں لہذا امور ذیل عرض ہیں۔

الف مسلمانوں کی حفاظت دو طرح ضروری ہے دنیوی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی دنیوی اعتبار سے حفاظت و اصلاح و ترقی کے تمام شعبے عمائد قوم کے ذمہ ہیں اور دینی حفاظت و اصلاح و ترقی کے کل شعبے علمائے دین کے ذمہ ہیں لیکن عمائد قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیوی نظامات میں دین سے بے تعلق نہ ہو جائیں اس لئے علمائے دین سے وقتاً فوقتاً دینی ہدایات لے کر ان کے موافق کوشش کریں ورنہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے لئے ان کی ساری کوشش ناکام رہے گی اول تو کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا اور اگر ہوا تو اسلامیت کے کمزور ہو جانے سے قوم مسلم کا کام نہ ہوگا کسی ایسی قوم کا کام بن کر رہ جائے گا جس کا نام مسلم قوم ہو گا مگر کام اور عمل اور ہر بات غیر اسلامی ہو گی اس سے اصلاح قوم نہ ہو گی قوم کی روح نکل جائے گی جسم کا خول رہ جائے گا۔

اور علمائے دین کے ذمہ ان کی ایسی اعانت ہے جس سے وہ قومی خدمت کر سکیں ادھر علمائے دین کو بھی اپنے کام میں عمائد قوم کی اعانت کی ضرورت ہو گی کہ وہ دین کو عام مسلمانوں میں پھیلائے اور ان کے دلوں میں جمانے کے ذرائع اور پھر ان پر عمل کرانے کے طریقوں میں ان کے ضرورتمند ہوں گے اور عمائد قوم کے ذمہ ان کی اس کام میں اعانت ہوگی۔

(ب) ہم سب لوگ مسلمان ہیں ہم کو اپنے اسلام کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ایمان ہماری سب کی وہ عظیم الشان اور بے نظیر دولت

اور ایسی بے بہا نعمت ہے کہ ساری دنیا کی قوتیں اس دولت و نعمت سے محروم ہیں یہ صرف مسلمان ہی کا حصّہ ہے اور ہر قسم کی عزت و دولت اور نعمت سے افضل ہے ہر مسلمان کو یہ نعمت اپنی جان اپنی اولاد اپنے خویش و اقارب اور اعزہ احباب کی جان اپنی اور ان سب کی عزت اپنے اور سب کے مال اور ان سب کے راحت و آرام سے زیادہ عزیز ہے ہم سب کو ہر طرح سے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے چاہے جان جائے یا عزت و مال جائے ہم کو خدا کا تعلق عزیز ہے اس کے سامنے نہ جان کی پروا ہے نہ مال و عزت کی۔ اگر اس حفاظت میں کچھ جان مال آبرو کے خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو ہر مسلمان کو جس کو یہ نعمت عزیز ہے خوشی خاطر سے اس کو گوارا کرنا چاہیئے نہ کہ وبالِ سمجھ کر "متاعِ جان جانان جان دینے پر بھی سستی ہے"۔

اس لئے اپنے ایمان کی حفاظت اور اس کی ترقی ہر قیمت و ہر نوع ہمارا فرض ہے اور سب پر فرض۔

(ج) امانت الٰہیہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت رخصت کی سپرد کی ہوئی امانت دین اسلام کی حفاظت ہر ہر مسلمان کے ذمہ ہے جس قدر بھی جس کی طاقت میں ہو شفاعت کے امیدواروں کو اس کی حفاظت میں جان جان کی بازی لگانا ہے عزت آبرو مال و دولت سب کچھ نثار کر کے بھی اس کو بچانا ہے۔

(د) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مسلمان تو سگے بھائی سے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی فرمایا ہے اور بھائی کو اخ کہتے ہیں نسبی بھائیوں کے لئے اس کی جمع اخوۃ اور تعلقات کے بھائیوں کے لئے جمع اخوان ہے اس لئے مسلمان بھائی بھی صرف تعلقات کے سے نہیں نسب کے سے بھائی بھائی ہیں ہر بھائی پر دوسرے بھائی کے دین کی حفاظت و اصلاح اور ترقی کی بھی اسی طرح فکر ضروری ہے جس طرح دنیا کے تمام شعبوں کی حفاظت و ترقی و اصلاح ضروری ہے اور یہ فرض بھی سب کا ہے۔

(۸) اوپر گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے علمائے دین کو صرف تفقہ فی الدین اور انذار کے کام کے لئے متعین فرمایا ہے اور دوسرے کسی کام میں حتیٰ کہ جہاد میں بھی جانے کی اجازت نہیں دی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا دینی کام اور تمام حلال آمدنیوں سے افضل ترین مال غنیمت کا سبب ہونے سے اور جاہ و عزت کا اعلیٰ ذریعہ ہونے سے اعلیٰ درجہ کا دینوی کام بھی ہے۔ اس میں عارضی طور سے جانے کو بھی ناپسند فرمایا اس لئے کسی اور کام میں ان کا لگانا صحیح نہیں۔

(۹) فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ (تو کیوں نہیں چلی ان تمام مسلمانوں کے ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت) فرمایا ہے اس لئے کل مسلمانوں کے ہر ایک فرقہ یعنی ہر آبادی میں سے ایک ایک جماعت کا دین حاصل کرنے اور دین پھیلانے کے لئے گھر سے چلنا ضروری ہے اس جماعت کو اس کام کے لئے جانا اور اس فرقہ کو اس جماعت

کو دین میں لگنے کے لئے بھیجنا یعنی اس کے اسباب فراہم کر دینا بھی ضروری ہیں کیونکہ خطاب اور حکم دونوں کو ہے اس لئے بقیہ لوگوں پر ایسے اسباب فراہم کرنا بھی ضروری ہیں جن سے یہ ہر ہر فرقہ کی ایک ایک جماعت دین کے کام میں لگی رہے اور فرقہ کے بقیہ لوگ دوسرے اہم کاموں میں لگیں گے جو اپنے نمائندین کے تحت میں ہوں گے لہذا اس فرقہ کے اخراجات اور تمام اسباب بقیہ لوگوں کے ذمہ ہیں آگے ہے وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ - اور اس لئے چلیں کہ اپنی قوم کو تبلیغ کریں جب لوٹ کر ان کے پاس آئیں تاکہ وہ گناہوں سے بچ سکیں -) اس سے معلوم ہوا کہ ہر فرقہ و برادری کے ذمہ یہ ہی ہے کہ انکی ایک جماعت تفقہ فی الدین یعنی مہارت پیدا کرنے کے بعد قوم کی تبلیغ میں لگ جائے اور قوم برائیوں سے بچ سکے -
برادری کے ذمہ ہونے کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اس تبلیغ کے تمام ذرائع و اسباب کا انتظام بھی اسی برادری کے ذمہ ہے - اسلئے ہر برادری کو اپنا فرض پہچاننا اور اس پر عمل کرنا لازمی ہے اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کریں گے - تبلیغ میں مدارس اور سب ادارے آ گئے -

آیت وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (اور تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دیا کرے نیکی کا حکم کیا کرے برائی سے روکا کرے) یہ خطاب بھی تمام مسلمانوں کو ہے سب مسلمانوں کو کوشش کر کے ایسی

جماعت بنانا ضروری ہے اس کے اسباب وذرائع اخراجات وانتظامات بھی سب کے ذمہ ہیں کیونکہ جب یہ کام ان کے ذمہ ہیں تو اس کے ذرائع بھی انہی کے ذمہ ہیں۔

(ش) اوپر ۱ و ۶ کے جواب میں متعدد وجوہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس جماعت کو دوسرے کسی مشغلہ کی طرف متوجہ کرنا دین میں خلل ڈالنے کے مرادف ہے اور خود ان کو بھی کسی دوسرے مشغلہ کی طرف متوجہ ہونا اپنے فرض و منصب کے خلاف کرنا ہے خصوصاً اس پرآشوب زمانہ میں جبکہ نہ ماحول قابل اطمینان نہ صحبت قابل اعتماد نہ فتنوں اور وباؤں سے حفاظت کا یقین نہ قویٰ ایسے کہ کئی کاموں کا تحمل ہوسکے نہ اغذیہ وغیرہ ایسی کہ متعدد امور کی طاقت پاسکیں چنانچہ آپ علماء کی حالت پر غور کریں گے تو دیکھ لیں گے کہ جو لوگ اسی مشغلہ میں ہیں ان کی استعداد ان کا علمی تبحر ایسے لوگوں سے جو دوسرے کسی ادنیٰ سے کام میں بھی لگ گئے ہیں بہت بہت درجہ زیادہ ہے۔

(ح) حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو بھائی تھے ایک اپنے معاشی کام میں رہتے تھے دوسرے حضور کے یہاں دین حاصل کرتے تھے۔ پہلے بھائی نے شکایت پیش کی یہ کچھ کام نہیں کرتے حضور نے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بِهٖ تُرْزَقُ (شاید تم اسی کی برکت سے رزق دیے جاتے ہو) جمع الفوائد ج ۱ ص۲ ایسے لوگوں کو جو ذی ثروت ہیں علوم دینیہ کے مشغولوں کو ان کی مشغولی میں رکھنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ انہی

کی برکات عامہ سے ثروت حاصل کر رہے ہیں۔

(ط) جو لوگ دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ اس افضل ترین عبادت اور بہترین اسلامی خدمت سے محروم تھے کہ وہ حفاظت دین و دینیات اور مسلمانوں کے اسلام و اسلامیات کی بقاء و ترقی و اصلاح کے اہل نہیں بنے اور اس کام میں لگ کر اپنی چند روزہ زندگی کو خدا کی راہ میں وقف نہیں کرسکے کل حاصل زندگی صرف چند پیسے یا چند آدمیوں کی چند روزہ واہ واہ لے کر جانے والے ہیں یا اگر توفیق ہوئی تو چند ذاتی عبادتیں بھی ہو جائیں گی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدال علی الخیر کفاعلہ نیک کام کا سبب بننے والا بھی نیک کام کرنے والے کی طرح ہے) اور المرء مع من احب (آدمی قیامت میں اسکے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا) ان کو اپنے کاروبار میں لگے رہنے پر بھی ہر ہر فرقہ سے ایسی جماعت تیار کرنے کے اسباب و ذرائع اور محبت اختیار کرنے سے ایسا مرتبہ مل سکتا ہے اسی لئے حق تعالے نے بعض کو دین کے کام کیلئے فرمایا اور دوسرے بعض کو دوسرے کاموں میں لگ کر ان کے دین میں لگنے کے اسباب فراہم کرنے کو تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں گو بظاہر محروم تھے لیکن دل سے شریک ہو گئے۔

"میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔"

اس فرض شناسی سے دوسرے مسلمانوں کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

(ی) اگر اہل ثروت اپنے بچوں کو علوم دین سکھائیں تو ان کو یہ سہل ہے، کہ انگریزی تعلیم میں جو پچاس ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا اس کی کوئی جائیداد کوئی کارخانہ

یا دوکان ان کے نام کردیں تاکہ پھر یہ خلوص کے ساتھ دین کا کام کریں ورنہ فقہ
کا قاعدہ ہے اور عقلی قاعدہ بھی ہے کہ جو شخص کسی کام میں محبوس ہو اس کا
خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے آپ مقدمہ کی پیروی کے لئے دوکان کا مال لانے
کے لئے یا کسی کام کے واسطے جب کسی کو بھیجتے ہیں اس کا خرچ اپنے ذمہ
رکھتے ہیں یا نہیں آیت مذکورہ سے بھی اس کا خرچ دوسرے حضرات پر ثابت
ہوا جیسا کہ خود اس جماعت کا بنانا ہر ہر فرقہ پر فرض معلوم ہوا اور تیسری آیت
سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
(صدقات وخیرات ان غریب لوگوں کے لئے بھی ہیں جو اللہ کے راستہ
(کام) میں روک دیئے ہوئے ہیں، کہ وہ معاش کا کوئی کام اس لئے نہیں
کرسکتے کہ اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے فقہا نے مذکورہ قاعدہ
لے کر زوجہ کا خرچ خاوند پر قاضی عامل اور حکام کا خرچ بیت المال پر رکھا
ہے اسلامی سلطنت میں بیت المال یکجائی ہوتا ہے اب ہر مسلمان کی
جیب میں ہے حضرت تھانویؒ نے حقوق العلم ص پر اس جواب کی یہ تقریر
فرمائی ہے۔ جواب اس کا قرآن مجید میں موجود ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ
إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ ان فقراء کیلئے
خیرات ہے جو خدا کی راہ میں روک دیئے گئے زمین میں جا آ نہیں سکتے
ناواقف ان کو عفت وجہ سے غنی سمجھتا ہے تم ان کو ان کے آثار سے

پہچان لوگے وہ لوگوں سے اصرار کر کے مانگتے نہیں اور تم جو مال خدا کی راہ میں خرچ کروگے اللہ کو اس کا علم رہتا ہے ۔ جس سے ایک قاعدہ مفہوم ہوتا ہے جسکو فقہاء نے سمجھ کر اس پر بہت سے فروع متفرع کئے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی منفعت میں محبوس ہو اس کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہے نفقہ زوجہ کا زوج پر قضاۃ دولاۃ کا نفقہ بیت المال میں جس کا حاصل وجوب جمیع مسلمین پر ہے اسی قاعدہ پر متفرع ہے پس جواب کی تقریر یہ ہوئی کہ جب یہ جماعت خدمت دین کیلئے جو مدلول ہے فی سبیل اللہ کا محبوس اور وقف ہے جو مدلول ہے اُحْصِرُوْا کا تو ان کے حوائج کی کفایت کی قدر جو مدلول ہے فقراء کا ان کا حق مسلمان کے ذمہ واجب ہے جو مدلول ہے لام استحقاق کا تو جمہور مسلمین کو چاہیئے کہ ان کے مصارف کی کفایت کریں خواہ تعین کیساتھ جیسے مدرسین و واعظین کی تنخواہ خواہ بلا تعین جیسے متوکلین کی خدمت پس وہ شبہ منقطع ہوگیا۔ اور اس آیت سے علاوہ فائدہ مذکورہ اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے جن کو اس بحث میں گو دخل نہیں مگر تعلق ہے اسلئے ذکر کرتا ہوں ایک یہ کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ، اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا جو عوام ان اس علماء پر دینوی معاش میں اپاہج ہونے کا الزام دیتے ہیں اور ثابت ہوگیا کہ یہاں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام پورا نہیں کرتے خصوص جبکہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو بالید یا باللسان یا بالقلب اور خدمت دین ایسا ہی کام ہے

اور تدریس علوم دینیہ یہ ذرائع معاش میں داخل نہیں بلکہ وہ تنخواہ بوجہ خدمت
دین میں محبوس ہونے کے ہے مگر تعیین کے ساتھ ہے اور یہ تعیین مصلحت
قطع نزاع کے لئے ہے۔ ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کسی دنیادار کے سامنے
اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہیئے بلکہ انبیا کی طرح مستغنی رہیں۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ اس پر دال ہے ایک یہ کہ اموال کا سوال کسی سے
نہ کرے یدل علیہ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ مدارس کے لئے چندہ
کی ترغیب اس میں داخل نہیں وہ دعا الی الخیر ہے اس میں اور سوال میں یہ
آیت فرق بتا رہی ہے لَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ الی قولہ هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ
تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الآیۃ۔ ایک یہ کہ گو وہ سوال
نہ کریں مگر دوسروں کو چاہیئے کہ اس کا تجسس رکھیں اور فراست و قرائن
سے پہچان کر ان کی خدمت کریں یدل علیہ قولہ تعالیٰ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ
اور یہ کہ ان کی خدمت کرکے احسان نہ رکھیں کیونکہ وہ اپنے نفع کے لئے
ہے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ہ
اب عام مسلمانوں کو یہ خرچ بار کیوں معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ سوائے
اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو دین کی فکر ہی نہیں رہی ان
کی نظر میں دین و دینداری اسلام و اسلامیات کی وہ عزت وہ اہمیت
جس کے سامنے دنیا کی ہر شے اور اپنی جان مال عزت آبرو وغیرہ سب
ہیچ ہو نہیں رہی وہ قدر وہ ضرورت جس کے لئے ہر بات بخوشی خاطر
برداشت ہوتی تھی نہیں رہی تو یہ خود افسوس کا اور رونے کا مقام ہے

بہر حال اگر مسلمانوں کو اپنے دین اپنے بھائیوں کے دین اور اسلام واسلامیات کی حفاظت و ترقی جیسے کہ ہونا چاہیئے ہر شے سے زیادہ عزیز ہے اور مدارس سے آپ اس کو مشاہدہ کر رہے ہیں تو خود آپ اپنی بہبودی کے لیئے ان کے تمام اخراجات کو اجرو ثواب سمجھ کر برداشت کریں اچھی بات تو یہ تھی کہ ہر ہر آبادی میں ایسے دیندار اہل علم کی جماعت بننے کا انتظام ہوتا کہ حق تعالے کا یہ ارشاد کہ ہر ہر فرقہ میں سے ایک ایک جماعت ہو پوری طرح عمل میں آجاتا اور وہاں کے لوگوں پر ان کا خرچ باضابطہ رکھا جاتا افسوس بجائے اس کے موجودہ کام کو بھی روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بھوکی قوم میں فقراء کا اضافہ ہوتا ہے یہ قدر ہے اسلام و اسلامیات کی اور ان کی جن کی وجہ سے آج دین و دینداری محفوظ اور پھیل رہی ہے جن کی حفاظت کا کام ہو رہا ہے کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے دین کا احساس ہی جاتا رہا دوسری قوموں کی طرح کھو کھلے اور اندر سے خالی رہ کر صرف چند پیسوں یا چند اغراض کے بندوں کی واہ واہ کے فریفتہ ہو کر رہ گئے۔

یہ بھی خوب یاد رہے کہ جو لوگ اپنی عمر یں آپ کے دین کی حفاظت و ترقی میں لگا رہے ہیں وہ آپ ہی جیسے انسان آپ ہی کے خاندان آپ کے ہی ملک آپ کی ہی حیثیت کے ہیں اگر اس کام میں اپنی عمریں وقف نہ کرتے تو آج وہ بھی آپ جیسی تعلیم حاصل کر کے آپ جیسی ملازمت تجارت زراعت وصنعت وحرفت کرتے کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے

عیش و آرام میں گزارتے کیا اُن کو یہ دولت یہ ثروت یہ عزت یہ عُمدہ غذائیں یہ عُمدہ لباس بیش قیمت سامان یہ راحت راتوں کو آرام سے سونا ناگوار تھا کیا اس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا وہ ان سب چیزوں سے رُکتے تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ مصیبتیں جھیلتے ہیں اور پھر طعن و تشنیع بھی سنتے ہیں آخر یہ سب کیوں ہے کیا صرف اس لئے نہیں ہے کہ وہ دین کے کام میں لگے رہیں اور اس طرح اپنے اور آپ سب کے دین و دینیات کی حفاظت ہو اگر خدانخواستہ یہ سب لوگ اس کام کو چھوڑ بیٹھیں اور آپ سب کی طرح ان مالی و جاہی کاموں میں لگ جائیں تو پھر بتائیے کہ اسلام و اسلامیات کا کیا حشر ہو خدا نہ کرے کہ ایسا ہو اللہ اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ دار ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ ایسی جماعت رکھے گا۔ مگر آپ نے اس جماعت کے مٹانے میں کونسی کسر اُٹھا رکھی ہے ذرا غور کرکے بتائیے۔

قتل این خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ۔۔ ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

ہر ہر فرقہ کو ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم ہے تو جب باز پرس ہوگی۔ ذرا آپ سوچ لیں کہ آپ کا نام تعمیل و تعمیر میں نکلے گا یا ہدم و تخریب میں اور پھر نتیجہ کیا ہوگا کیسا ہوگا اور کب تک ہوگا۔ یہ عجیب بات کہی جارہی ہے کہ بھوکی توم میں بھیک منگوں کا اضافہ ہے۔ یہ کس قدر جھوٹ اور غلط بات ہے ذرا آپ اس پر بھی غور کریں۔ بھیک تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص آپ کا کوئی کام نہ کرے اور آپ سے مانگے۔ گو بھیک

مانگنا بھی ہر سال میں حرام نہیں صرف اس وقت اپنے لیے حرام ہے کہ جب اسکے پاس ہو خورد نوش وغیرہ کے لئے کچھ ہو پھر بھی وہ مانگتا ہو یا اس میں کمانے کی طاقت ہو پھر مانگتا ہو۔ تو یہ طعن خود بھی کمزور ہے اور کام والے اپنے لیے مانگتے بھی نہیں ادارے والے آپ کو فرض سے سبکدوش کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ پھر یہاں بھیک ہے نہیں اس کو غلط اور جھوٹ کرکے بھیک کہا جا رہا ہے۔ آخر آپ مقدمہ کے لئے وکیل کرتے ہیں اور پچاس، سو ہزار پانچ سو تک اس کو دیتے ہیں کبھی آپ کی زبان پر یہ نہیں آتا کہ یہ قوم بھیک مانگنے والی ہے حالانکہ اس کا صرف ذرا سا زبانی جمع خرچ ہوتا ہے۔ اس نے کونسا ہل چلایا ہے۔ مگر بھو کی قوم سے بھیک نہیں کہتے۔

ڈاکٹروں کو تیس تیس روپیہ فیس خوش خوش دے آتے ہیں۔ اور وہ صرف زبان سے یا قلم سے کسی دوا کا نام لکھ دیتا ہے اس نے کونسی کھیتی کاٹی یا اینٹ مٹی ڈھوئی تھی اور کبھی اس کو بھیک مانگنے والا نہیں کہا جاتا۔ کبھی بھو کی قوم کا مرثیہ نہیں پڑھا جاتا۔

بازاروں میں دلالوں کو دو روپیہ سینکڑہ خوش خوش حوالہ کر آتے ہیں اور کہیں ان کو بھیک مانگنے والا نہیں قرار دیتے وہ صرف بیچنے خریدنے والے سے بات چیت کرتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ یہ عدالتوں میں تحصیلدار منصف جج جو بیٹھے ہوئے ہیں اور ہزاروں روپیہ حکومت کے واسطہ سے ان کو دیا جاتا ہے اور ذرا سی زبان ہلانے یا قلم چلانے پر دیا جاتا ہے۔ کبھی ان کو بھیک مانگنے والا نہ کہا گیا وہ ایسا کون سا کام کرتے ہیں جو پھاوڑے کلہاڑی کرتی

بسولی کا ہوتا ہو۔

یہ جو حکومت ٹیکس پر ٹیکس اور مالیہ کے وصول کرتی ہے کسی زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ یہ بھوکی قوم سے بھیک مانگ رہی ہے وہ بھی سوائے حکم کے چند زبانی یا تحریری فقرے لکھنے کے اور کیا کرتی ہے اور کوئی اس کو بھوکی قوم سے بھیک مانگنے والا کہتا۔ اگر کام کے باوجود یہ امداد بھیک بنتی ہے تو تاجروں کا نفع۔ کارخانوں کا نفع مزارعوں کا کل روپیہ ہی بھیک میں داخل ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین کی تنخواہ بھی کہ وہ کوئی چیز نہیں دیتے ذرا سا کام کر دیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یوں ہے کہ جس قدر کام یہ علمائے دین کرتے ہیں دوسرے اتنا کام نہیں کر رہے ہیں۔

شاید آپ نے بھی ڈاکٹروں اور حکیموں کا یہ قول نہیں پڑھا یا سنا ہوگا۔ کہ دماغی کام ایک گھنٹے اور جسمانی کام آٹھ گھنٹہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور مدرسوں میں حال یہ ہے کہ طرز تعلیم جو اس علم عظیم کے مناسب ہے وہ بہت بہت بیانات پر مشتمل ہوتا ہے جس کو اوپر بیان بھی کیا گیا ہے اسلئے ایک ایک کے واسطے کئی گھنٹے انکو مطالعہ کرنا ہوتا ہے اور پانچ یا چھ گھنٹہ اتنے ہی سبقوں کا درس دینا ہوتا ہے انکی تیاری فی درس دو گھنٹے ہی اوسط رکھا جائے تو بارہ گھنٹے دو چھ اصل کے اٹھارہ گھنٹے ورنہ پندرہ گھنٹے تو سب کا دماغی کام ہوتا ہے صرف نماز و عبادات کیلئے خورد و نوش اور نیند کیلئے بمشکل چھ یا نو گھنٹے بچتے ہیں اگر ان میں سے کسی روز یا تعطیل کے دن کی ہوتی ہے تو تقریر تحریر اور طرح طرح کے سوال جواب کی نذر ہوتی ہے۔ تلاش کرکے دیکھئے کہ دنیا میں

اتنا کام کرنے والا اور کون ہے۔ بہت جگہ جلسوں وغیرہ میں آپ نے
تقریریں سنی ہونگی پانچ پانچ گھنٹے مسلسل بیان ہوتا ہے دنیا بھر میں اسکی مثال کہیں
ملتی ہے کہ عمر بھر میں ایک دو دفعہ نہیں بہت بہت مرتبہ اتنی لمبی تقریریں
ہوتی ہیں اور پھر عام طور سے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہے
نہ ہاتھ میں نوٹ لکھے ہوئے ہیں فوری اور فی البدیہ تقریروں کا یہ عالم
ہے اس کو تو ہر وقت لوگ دیکھ رہے ہیں اور برابر دیکھ سکتے ہیں۔ اب
اگر دماغی ایک گھنٹہ کام کو جسمانی آٹھ گھنٹہ کے برابر کا اصول سامنے رکھا جائے
حضرات چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں ایکسو چوالیس ۱۴۴ گھنٹہ روزانہ کا کام کرتے ہیں۔ مگر آپ پھر بھی
آپ کہتے ہیں بھیک مانگنے والے جبکہ اتنا کام کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا
خدا تعالیٰ نے کا یہ وعدہ کہ "اگر تم خدا کے دین کی مدد کرو گے خدا تعالیٰ بھی تمہاری
مدد کریں گے"۔ آنکھوں دیکھا نہ ہو تو ایک ایک ار [illegible] تنا کام ہونا ہی
محال معلوم ہوتا ہے مگر ہر مدرسہ میں آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اب سوائے اسکے اور کیا گمان کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کہنے والے دین
سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور دین کے کام کو کام ہی نہیں قرار دیتے یا پھر وہ
یورپ والوں کی چال میں آ کر دین کے کاموں کو بیکار محض قرار دیتے مگر یہ مسلمان
قرآن سے مجید ہے والسلم

.... ختم شد ....

(سلطانہ پریس نئی دی روڈ لاہور)

اتنا کام کرنیوالا اور کون ہے بہت جگہ جلسوں وغیرہ میں آپ نے تقریریں سنی ہوں گی پانچ پانچ گھنٹے مسلسل بیان ہوتا ہے دنیا بھر میں اسکی مثال کہیں نہیں ملتی کہ عمر بھر میں ایک دو دفعہ نہیں بہت بہت دفعہ اتنی لمبی تقریریں ہوتی ہیں اور پھر عام طور سے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہے نہ پہلے سے کوئی نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ فوری اور فی البدیہہ تقریروں کا یہ عالم ہے اسے تو ہر وقت لوگ دیکھ رہے ہیں اور برابر دیکھ سکتے ہیں۔ اب اگر دماغی ایک گھنٹہ کام کو دماغی آٹھ گھنٹے کام کے اصول کو سامنے رکھا جائے تو یہ حضرات چوبیس گھنٹے میں روزانہ ایک سو چالیس گھنٹے کام کرتے ہیں۔ مگر اس پر بھی آپ کہتے ہیں کہ بھیک مانگنے والے۔ جب کہ اتنا کام کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ "اگر تم خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کریں گے۔ آنکھوں دیکھا نہ ہو تو ایک ایک استاد سے اتنا کام ہونا محال ہے مگر ہر مدرسے میں آپ اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔

اب سوائے اس کے اور کیا گمان کیا جائے کہ ایسا کہنے والے دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور دین کے کام کو کام ہی نہیں قرار دیتے یا یورپ والوں کی چال میں آکر دین کے کام کو حقیر بتاتے ہیں مگر مسلمان کی ذات سے بعید ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم